مکمل ناول

حقیقت

سحر ساجد

مکمل ناول

حقیقت

سحر ساجد

یہ خزاں رُت کا عام سا دن تھا...... فضا میں دھند برف کی سی صورت لگ رہی تھی...... درخت ٹنڈ منڈ ننگے کھڑے تھے۔ خزاں منہ کھول کر ہڑپ کر گئی تھی ان کی ہریالی کو...... یوں لگتے تھے جیسے کوئی بڈھے بابے ہیں جو تنوں پر ہزار ہا جھریاں لیے کھڑے تھے۔ زرد، نارنجی سے سوکھے پتے جب پیروں کے نیچے آ کر... چُر چُراتے تو...صوفیہ کو عجیب سا مزہ آتا۔ اسے لگتا تھا کہ یہ موسیقی ہے۔ اداسی کا کوئی سُر ہے...... وہ دونوں ہاتھوں میں فائل پکڑے...... اسے سینے سے لگائے ان پتوں پر پیر رکھتی...... اداسی کے سُر کو محسوس کرتی ہوئی سر جھکا کر ٹھوڑی فائل پر ٹکائے چل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد شوں کی آواز نے ماحول کی خاموشی کو توڑا...... اس کا دایاں ہاتھ فائل سے آزاد ہوا...... وہ ٹشو سے ناک رگڑتی اور پھر نرمی سے سوکھے پتوں پر پیر رکھتی ہوئی اداسی کے سُر کو سنتی چلی جاتی۔ اس کے لیے اس شغل میں ایسا مزہ تھا جیسے کسی بچے کو چاکلیٹ کھانے میں آتا ہے۔
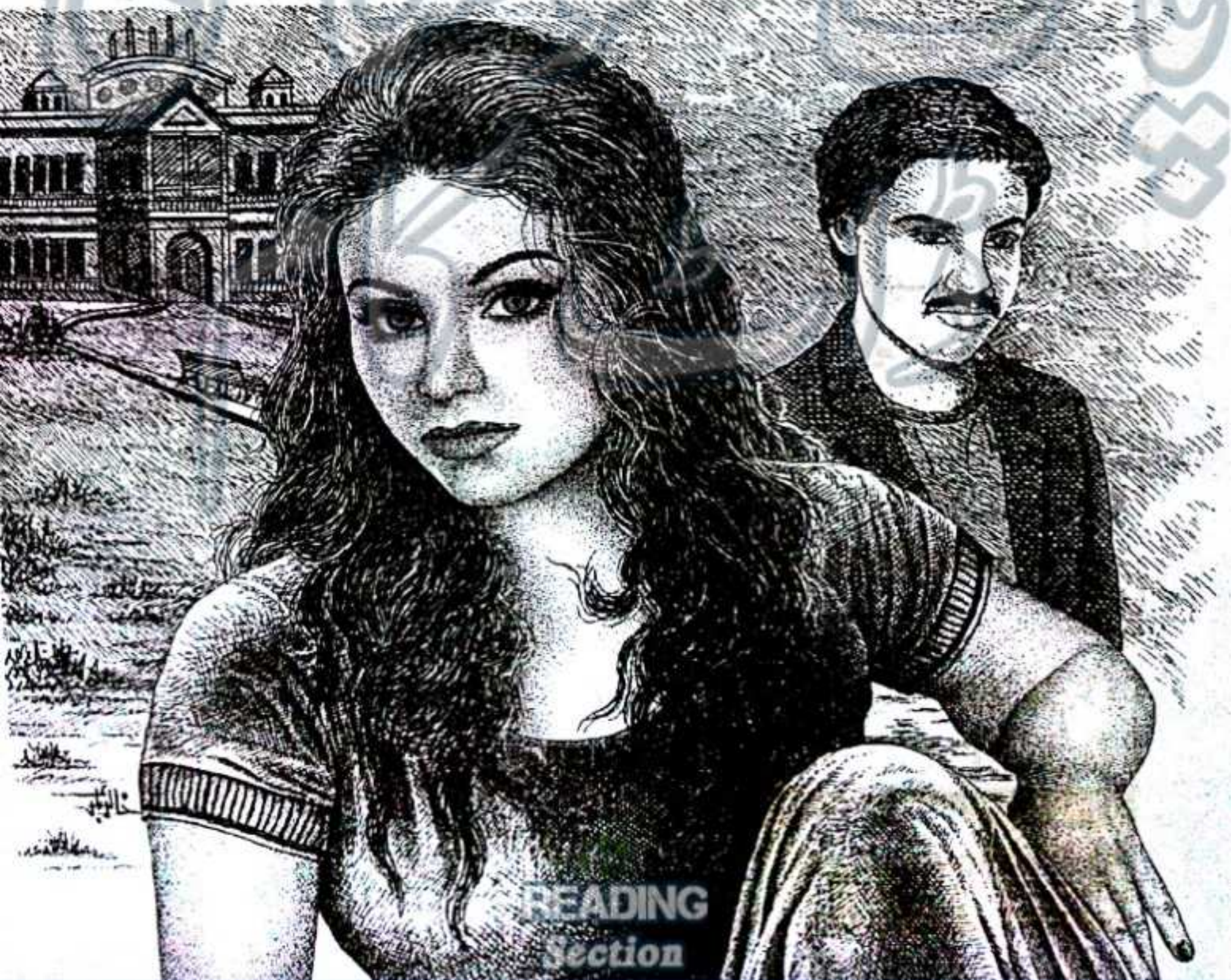
''شوں......''اس نے ناک سکیڑی......ایک دفعہ پھر سکوت ٹوٹا۔

معیز اب کی بار اس کی حرکت پر مسکرایا۔ وہ اس کے ساتھ اتنی خموشی سے چل رہا تھا جیسے پہلے وہ بھی کوئی ساکت کھڑا درخت ہو اور بس یوں ہی بے اختیار ہی اس کے ساتھ، ساتھ چلنے لگا تھا۔

اور وہ مجبور تھا اسی سست رفتار سے چلنے پر کہ جس رفتار سے صوفیہ چل رہی تھی۔ وہ تو اپنے مزے میں دُھت ہو کر چلتی تھی اور اردگرد سے مکمل بے پروا ہو کر مگر معیز اس کے مزے کے لیے اس کے ساتھ چلتا تھا اور باوجود اپنی پوری کوشش کے وہ اس اداسی کے سُر کو سننے سے قاصر تھا۔

یہ زمیندار کالج کے ایم اے بلاک کی بیرونی روش تھی جہاں پر درخت آسمان کی بلندیوں کو چھونے کی ناکام کوشش میں مصروف نظر آتے۔ وہ دونوں اپنا topology کا پیریڈ بنک کر کے آرہے تھے۔

''صوفی پلیز......''

اور صوفی کے پیر اس التجائیہ پکار پر یکلخت رک گئے۔ اس نے برا سا منہ بنا کر معیز کو دیکھا۔

''کر دیا ناں مزہ خراب......'' وہ بدمزہ ہو کر بولی تھی اور پھر ایک اور ''شوں......''

''میرا خیال ہے ہم نے ٹپالوجی کا پیریڈ محض تمہارے مزے کے لیے بنک نہیں کیا۔''

''تو......؟'' صوفی نے ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

''ماشاءاللہ کیا تجاہلِ عارفانہ ہے جناب کا......''

''ہی ہی ہی......'' وہ اسے چڑانے کو کھی کھی کرنے لگی۔ اس کی بچوں جیسی ہنسی پر معیز کی آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی مگر وہ چھپا گیا...... انتہائی صفائی سے۔

''تم نے تیمور مز سمجھنے ہیں کہ نہیں......؟'' معیز نے دھمکی سے کام لینا چاہا۔

''اب کیا کس پوائنٹ پر سمجھاؤ گے۔'' اس نے خفگی سے کہتے ہوئے پیروں کو حرکت دی۔ وہ اب معمول کی رفتار سے چل رہی تھی۔

''جتنی تمہیں ٹپالوجی سے محبت ہے...... آثار تو ایسے ہی نظر آرہے ہیں...... ورنہ سمجھ لو ایک ''سپلی'' تو پکی......'' وہ اس کے ہم قدم ہوتے ہوئے بولا۔

''فتنے منہ تمہارا معیز......'' وہ بری طرح سے تپی۔

''ہاہاہا......'' معیز نے کھل کر قہقہہ لگایا۔ وہ اس کے قہقہے پر اور تپی...... اور تیز، تیز قدم اٹھاتے ہوئے جانے لگی۔

''ارے سنو اُدھر کہاں جا رہی ہو...... اِدھر سے چلتے ہیں ناں...... کالج کے گیٹ سے۔'' معیز نے پیچھے سے آواز دی۔

دراصل اس کا گھر زمیندار کالج کے قریب تھا۔ کالج کے گیٹ سے نکلو تو سڑک پار کر کے یہ سامنے والی گلی میں اور پیریڈ بھی اسی لیے بنک کیا گیا تھا کہ وہ پھپو کے گھر جا کر معیز سے تیمور مز سمجھے گی۔

''صوفی......!'' معیز نے پہلی پکار بے اثر ہوتے دیکھ کر دوبارہ پکارا۔

وہ رکی...... مگر مڑی نہیں تھی۔

معیز نے تھک کر گہری سانس خارج کی...... دونوں بازو فضا میں بلند کیے اور سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے جاگنگ کرنے کے سے انداز میں بھاگتا ہوا اس تک گیا تھا۔

''کدھر جا رہی ہو؟''

''گھر......''

''ہائیں...... اب کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوا۔

''موڈ خراب کر دیا تم نے......'' وہ برے موڈ کے ساتھ ہی بولی تھی۔

''اور وہ تیمور مز......؟'' اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''پھر سہی......'' صوفی نے ذرا محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر نظریں چراتے ہوئے بھی بولی اور اس کے ساتھ ہی ''شوں......''

''میری attendance شارٹ ہوئی ناں تو......!'' معیز نے آنکھیں دکھائیں۔

''دیکھو ناں اتنی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

ناک رگڑتے ہوئے وہ بولی۔

''تو اتنے مزے لے، لے کر نہیں چلنا تھا ناں ٹھنڈ میں۔'' ذرا سا نرم پڑتے ہوئے اس نے کہا۔

''تم میرے ساتھ گھر چلو...... اُدھر جا کر سمجھا دینا۔'' صوفی کے لہجے میں درخواست تھی۔ ''وہاں کون جائے اتنی سردی میں...... اپنے گھر میں تو......'' معیز نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر وہ چپ ہی رہا۔ وہ جانتا تھا کہ صوفی کے گھر میں سلنڈر پر ہیٹر چلتے تھے...... اور اس کے اپنے گھر تو......

''چلو......'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

☆☆☆

یہ گھر صوفیہ کے دادا کے زمانے کا بنا ہوا تھا۔ گو کہ وقت کے ساتھ، ساتھ اس میں کافی جدت لائی گئی تھی مگر اب بھی دادا کے زمانے کا بنا ہوا آتش دان ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور جدت سے ابھی تک بچا ہوا تھا۔

اسی آتش دان میں اس وقت لکڑیوں کے بجائے ایک جدید طرز کا ہیٹر پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا اور یقیناً سلنڈر پر ہی چل رہا تھا گیس تو آنے سے رہی...... حفاظت کے پیش نظر آتش دان کے ساتھ ہی کھڑکی کی جالی میں سوراخ کر کے پائپ اندر لایا گیا تھا...... سلنڈر کھڑکی کے باہر ہی پڑا ہوا تھا۔

اسی ہیٹر کی گرمائش کے سامنے وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ معیز ٹپالوجی کے تھیورمز سمجھانے میں اور صوفی سمجھنے میں مصروف تھی۔

''بس کرو اب تم دونوں......'' حنا نے لفظ تم دونوں پر دانت کچکچائے اور پھر بولی۔

''روز پیریڈ بنک کر کے آجاتے ہو اور مت میری ماری جاتی ہے...... کبھی کافی تو کبھی چائے...... کبھی چپس تو کبھی...... شرم نہیں آتی، تم دونوں سے چھوٹی ہوں......'' اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور پھر آخری جملہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر وہ دھپ سے فلور کشن پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کے دائیں رخ پر صوفی بھی فلور کشن پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ صوفی کے سامنے ایک چوکور ٹیبل دھری تھی جس کے دوسری طرف معیز بھی فلور کشن لیے بیٹھا تھا۔ ٹیبل پر نوٹس اور کچھ بکھرے صفحات تھے۔ معیز نے بے ساختہ مسکرا کر کافی کا مگ اٹھایا اور لاتعلق سا نظر آنے لگا کیونکہ یہ ان دونوں بہنوں کی جنگ تھی۔

''یار حنا...... تم تو ایسے بی ہیو کر رہی ہو جیسے ہمارے لیے دیگیں پکا، پکا کر تھک چکی ہو۔'' صوفی نے بھی اپنا مگ اٹھا کر اسے چھیڑا۔

''چائے، کافی بنانا بھی بھلا کوئی کام ہے۔'' ہونٹوں سے مگ لگانے سے پہلے اس نے حنا کو تھوڑا اور چھیڑا۔

''تو خود اٹھ کر بنالیا کرو ناں...... مجھے آرڈر کیوں کرتی ہو؟'' حنا کو سخت تپ چڑھی۔ اس نے ابھی تک اپنا کافی کا مگ بھی نہیں اٹھایا تھا۔

''میتھ، میتھ، میتھ ہوا بنایا ہوا ہے میتھ کو...... میڈیسن اور انجینئرنگ سے زیادہ مشکل تو نہیں ہے یہ میتھ......'' وہ تو جلی بھنی بیٹھی ہوئی تھی۔

''بندر کیا جانے ادرک کا سواد......'' صوفی نے پہلے شرارتی نظروں سے معیز کو دیکھا اور پھر جملہ داغا۔ دراصل یہ اس کے آرٹس پڑھنے پر چوٹ تھی۔

''ہاہاہا......'' معیز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''معیز بھائی......'' حنا نے پوری طاقت لگا کر آنکھیں پھیلائی اور پھر حلق کے بل چلائی تھی۔ یوں جیسے کہتی ہو'' آپ بھی......'' اتنا دکھ تو صوفی کے جملے سے نہیں ہوا...... جتنا معیز کے قہقہے سے ہوا تھا۔

''آپ مجھے بندر سمجھتے ہیں۔'' اسی تپے ہوئے چہرے کے ساتھ پوچھا گیا۔

''نہیں، نہیں...... میں تو تمہیں ادرک کے سواد سے نابلد سمجھتا ہوں۔'' معیز نے گڑبڑا کر کہا۔

حنا ذرا ریلیکس نظر آئی مگر یہ صوفی...... ہی ہی ہی...... پہلے وہ اپنی مشہور زمانہ ہنسی ہنسی...... اور پھر بولی۔

''اور جو ادرک کے سواد سے نابلد ہوتا ہے اسے کیا کہتے ہیں معیز......؟'' ہونٹ دانتوں تلے دبا کر

دونوں ابرو اچکا کر بے حد شرارتی انداز میں پوچھا گیا۔
''بندر......''معیز کے منہ سے پھسلا۔
''اور......!''
''ہاہاہا......''صوفی اور معیز نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا۔
''آپ دونوں بھی ناں......'' حنا نے کچا چبا جانے والے انداز میں کہا اور غصے سے واک آؤٹ کرنے لگی تھی کہ......
''کم آن حنا سیریس نہ ہوا کرو...... جسٹ چل یار......''اس نے حنا کو کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے نیچے دوبارہ فلور کشن پر بٹھا دیا تھا۔
''چلو اپنی کافی ختم کرو۔'' اب وہ بے حد پیار سے کہہ رہا تھا۔
سر جھکا کر اس نے کافی کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ معیز ایک دفعہ پھر سے صوفی کو تھیورمز سمجھانے لگا تھا۔ لیفٹ ہینڈ سے فولڈر میں لگے صفحات پر لکھ رہا تھا اور سیدھے ہاتھ سے کافی پی رہا تھا سردی تھی مگر حسبِ عادت کف فولڈ کر رکھے تھے۔ صوفی دونوں ہاتھوں سے مگ پکڑے مسلسل سر ہلا رہی تھی اور حنا نے سر اٹھا کر معیز کو دیکھا......اور پھر نظریں جھکا کر کافی پینے لگی تھی۔

☆☆☆

اتنی گہری وسیع کائنات میں
میں ہوں اِک نقطہ ذرا سا
لیکن یہ کہ......
میں ہوں......
اور میں اپنے ہونے سے
آگاہ ہوں......

اور وہ تھا...... وہ واقعی اپنے ہونے سے آگاہ تھا۔ وہ گدڑی میں چھپا لعل تھا۔ وہ...... وہ کوئلہ تھا جسے ہیرا بننے میں سو سال لگنے تھے لیکن بننا اسے ہیرا ہی تھا...... وہ جانتا تھا ایک دن آئے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسی مقام پر دیکھے گا جہاں پر وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے...... وہ جانتا تھا کہ کامیابیاں اس کی راہ تکتی ہیں، وہ منتظر ہیں اس کے قدموں کی اور اس کے قدموں کو چومنے کے لیے وہ بے تاب ہیں...... وہ جانتا تھا کہ خوش قسمتی کا تاج اس کے سر پر سجے گا اور ضرور سجے گا وہ محنت کرنے والوں کے قبیلے سے تھا۔

وہ ان پرندوں میں سے تھا جو کہ صحیح وقت پر صحیح اڑان بھرتے ہیں اور شکار کو دبوچ لیتے ہیں۔ اسے اندازہ تھا بلکہ یقین تھا کہ اس کی طاقت اس کا ذہن ہے۔ اس کی صلاحیت، ذہانت ہے اور ذہانت کے آگے سب کچھ مات ہے......

وہ تھا معیز بھٹی جو ایک عام سے اسکول ٹیچر کا بیٹا تھا۔ زمیندار کالج کے لیے اس کا نام نیا نہیں تھا۔ اس نے بی ایس سی میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی۔ وہ میتھ کا ماہر جانا جاتا تھا۔ میتھ اس کا رومینس تھا۔ بی ایس سی میں کلاس کے تمام طلبا نے calculus کی وہ کتاب پڑھی تھی جو کہ s.m. yousuf نے لکھی تھی مگر اس نے وہ بھی پڑھی تھی جو thomas finney نے لکھی تھی۔ اس کے لیے ٹیچرز کا دماغ الگ سے کھایا اور اپنا الگ سے خراب کیا۔ وہ واحد اسٹوڈنٹ تھا کلاس کا جس نے نہ صرف وہ کتاب نیٹ سے ڈاؤن لوڈ کی بلکہ اس کے (حسابی سوالات) sums کے solutions (حل) بھی ڈاؤن لوڈ کیے تھے۔ وہ لاہور جا کر پنجاب یونیورسٹی سے نوٹس لایا کرتا تھا۔ اور پھر اپنا اور ٹیچر کا دماغ کھپایا کرتا تھا۔ اس کا خواب پی ایچ ڈی کرنے کا تھا۔ اسے اگرچہ اپنے باپ کی طرح ہی تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہونے کا شوق تھا لیکن فرق تھا تو یہ کہ اسے کوئی عام سا اسکول ٹیچر نہیں بننا تھا...... وہ کسی اعلیٰ یونیورسٹی کا پروفیسر بن کر ریٹائرڈ ہونا چاہتا تھا۔

اور یہ کڑی محنت کا کام تھا اور جب محنت جمع ذہانت تو قسمت کو کوئی عذر نہیں کہ وہ آ کر گلے نہ ملے...... اس کا مستقبل شاندار تھا، وہ جانتا تھا کیونکہ وہ اپنے ہونے سے آگاہ تھا۔

☆☆☆

شام کی چائے کا وقت تھا..... صوفی ابھی تک اپنی جگہ پہ اسی طرح بیٹھی تھی اور اب وہ معیز کے سمجھائے ہوئے تھیورمز کو دُہرا رہی تھی۔ معیز جا چکا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ مسلسل اور تیزی سے چل رہا تھا۔ جسے وہ روک کر چائے کے کپ سے ایک گھونٹ بھرتی اور پھر سے لکھنے میں مشغول ہو جاتی۔

''بابا..... کسی دن پھپو کے گھر چلیں۔'' چائے پیتے ہوئے یک دم حنا نے باپ سے کہا جو وہیں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''رہنے دو..... وہاں گیس تو ہوگی نہیں..... ایسے ہی ٹھٹرتے رہیں گے وہاں جا کر.....'' صوفی نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔

''اب اس کا کیا مطلب..... کہ سردی میں کہیں جایا ہی نہیں جائے..... یونیورسٹی بھی ہیٹر ساتھ لے جایا کرو.....'' حنا برا مان کر بولی۔

''جانے کو دل تو بہت کرتا ہے مگر ساجدہ خاطر داری میں اتنا اہتمام کر لیتی ہے کہ بندہ خود شرمندہ ہو جائے۔ ان کے حالات کا تو تمہیں معلوم ہی ہے۔'' حنا جانتی تھی کہ اماں بالکل صحیح بات کہہ رہی ہیں۔ وہ چپ سی ہوگئی۔

''کسی بہانے سے ساجدہ کو کچھ دینا بھی چاہو تو نہیں لیتی..... بڑی ہی غیرت مند ہے اور بیٹا اس سے بھی دو ہاتھ آگے..... کبھی جو اِدھر سے کھانا کھا کر گیا ہو۔ دیکھو اب بھی کیسے چلا گیا۔'' ریحانہ قدرے ملال سے بول رہی تھیں۔

''ایک ہی گھر میں پلے بڑھے..... ایک ہی پلیٹ میں کھایا..... مگر نصیب ہے ناں لکیر کھینچ کر رکھ دی ہے اس نے بہن بھائیوں میں، وہ غریب اور ہم اللہ کا فضل ہے۔ کس کا کب زور چلا نصیبوں کے آگے..... بچہ بھی دیکھو اتنی محنت کر رہا ہے، دکھ ہوتا ہے دیکھ کر.....'' شجاع صاحب نے مغموم ہو کر کہا۔

صوفی نے نظریں اٹھا کر حنا کو دیکھا اور پھر ایک دم اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ رخ بدل کر چلتے ہیٹر کو دیکھنے لگی۔ چلتا ہاتھ رک گیا تھا۔ معیز کی سر توڑ محنت کا گواہ اس سے بڑھ کر کون تھا۔ اس کی زندگی اس طرح تھی جیسے پانی اپنی پوری طاقت سے ایک طرف کو بہتا ہو اور اسے بہاؤ کے الٹ چلنا ہو..... مکمل مزاحمت کے ساتھ..... زندگی..... زندگی نہ تھی یہ مکمل مزاحمت کا نام تھی..... حالات کے خلاف کی جانی والی سر توڑ مزاحمت..... صوفی نے اپنا دل دکھ سے بھرتے دیکھا۔

''ایسا کیوں ہوا بابا..... دادا اپنے وقت میں اٹلی گئے تھے۔ ہم خوشحال ہیں تو پھپو کیوں نہیں..... ان کی شادی بھی کسی اچھے گھر میں کی ہوتی.....'' حنا نے دل گرفتگی سے کہا۔

''دادا تو باہر گئے تھے، کمایا بھی بہت تھا مگر یہ کہ دادا سب سے بڑے تھے اور پیچھے آٹھ بہن، بھائی جب اللہ بخشے تمہارے دادا باہر گئے تھے تو اماں بہشتن بتاتی تھیں کہ میں پانچ سال کا تھا اور ساجدہ تین سال کی۔ تب وہ لوگ گاؤں میں ہی رہائش پزیر تھے۔ زمین کا ایک بڑا حصہ بیچ کر اللہ بخشے ابا جی باہر گئے تھے۔ کما، کما کر گھر بھیجتے رہے..... بہن بھائیوں کی ذمے داریاں ادا کرتے رہے..... والدان کے حیات نہیں تھے۔ سو ذمے داری کا احساس بھی خوب تھا۔ وہ محنت کر، کر کے درمیانی عمر میں ہی بوڑھے ہو گئے تھے اور پیچھے والے دیسی گھی میں پکوڑے تل، تل کر کھاتے رہے اور ذمے داریوں کی گردان سناتے رہے۔ اماں بہشتن کو سب نظر آتا تھا مگر مجبور تھیں۔ پھر دس سال بعد اللہ بخشے ابا جی واپس گھر آئے تو دیکھا باقی سب بہن بھائی تو خوشحال بھی ہیں اور سیٹل بھی اور اگر کوئی خوشحال نہیں تھا تو ان کے اپنے بیوی، بچے..... حقیقت نے آنکھیں کھولیں تو احساس پوری شدت سے جاگا۔ پھر تو اللہ بخشے ابا جی نے اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود ہمیں ہماری ننھیال میں یہاں گجرات چھوڑا اور خود پھر سے واپس چلے گئے لیکن اماں بہشتن کو سختی سے تاکید کر کے گئے کہ اب ساجدہ کی شادی کرنی ہے اور جلدی کرنی ہے۔ وہ الگ سے خرچ بھجوائیں گے ابھی پندرہ سال کی بھی

نہیں ہوئی تھی کہ اماں نے اس کی شادی اپنے چچا کے بیٹے سے کردی جو خاندان کا واحد پڑھا لکھا فرد تھا۔ اور وہ اکیلا مرد تھا جو ملازمت کرتا تھا سرکاری اسکول ٹیچر تھا۔ بعد میں ابا جی نے مجھے اٹلی بلالیا اور خود واپس آگئے۔ تو بس حالات وہیں سے بدلنا شروع ہوئے جب میں باہر چلا گیا تھا۔ معیز دو ماہ کا تھا جب ابا جی فوت ہوئے...... وہ جیسے اپنا نواسا دیکھنے کو ہی زندہ تھے بس......'' شجاع بھٹی نے اِک آہ بھر کر بات ختم کی تھی۔

''بابا پھر تو اس گھر میں پھپو کا بھی حصہ ہوا ناں......'' صوفی یک دم بولی تھی۔

انہوں نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''اللہ بخشے ابا جی اپنی زندگی میں ہی حصے کے برابر رقم ساجدہ کو دے گئے تھے۔ اس رقم سے ہی تو ساجدہ نے ابھی والا مکان خریدا ہے جس میں وہ لوگ رہتے ہیں۔'' صوفی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر یک دم اذانوں کی آواز بلند ہوگئی تھی۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر شانوں پر پھیلے دوپٹے کا ایک پلو سر پر ڈال لیا۔

☆☆☆

آج اس کا دل یک دم یونیورسٹی سے چھٹی کرنے کو چاہا مگر آج سر عنایت کا لیکچر تھا جو وہ مس کرنا افورڈ نہیں کرسکتی تھی۔

سارے لیکچرز میں سے ایک سر عنایت کی ہی تو سمجھ آتی تھی اسے اسی بنا پر groups اس کا فیورٹ سبجیکٹ تھا۔

''کیا مصیبت ہے یار...... صرف ایک لیکچر کے لیے اتنی سردی میں یونیورسٹی جاؤ۔'' بے ساختہ جھنجلا کر وہ واش روم کی طرف بڑھی۔

گھٹنوں تک آتی براؤن رنگ کی قمیص کے اوپر اس نے اونی سوئٹر پہنا...... پھر فروالا کالے رنگ کا کوٹ چڑھایا۔ سر پر ٹوپی پہنی اور اس اونی ٹوپی کے اوپر اس نے کالے رنگ کا اسٹول لپیٹ لیا تھا کہ ٹوپی چھپ گئی تھی پیروں پہ دو، دو موزے چڑھانے کے بعد جاگرز پہنے اور آخر میں پھر بلیک کلر کے گلوز کی باری آئی تھی۔ اور اب وہ بھالو، بھالو سی دکھ رہی تھی۔ اسی دوران باہر سے گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو اس نے جلدی، جلدی اپنا بیگ اور فولڈر اٹھایا اس طرح کی سردی میں کمرے سے باہر نکلنا ایسا ہی تھا جیسا کہ محاذِ جنگ پر جانا ہو...... اور صوفی کی تیاری کو دیکھ کر لگتا تھا کہ تعیناتی سیاچن پر ہوئی ہے اور آج ہی ہوئی ہے۔

صحن میں نکلنے کے بعد اس نے چند لمحے کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر دیکھا کہ بھلا سردی لگتی ہے یا نہیں اور بالفرض سردی لگے تو مزید کچھ پہنا جاسکتا ہے یا نہیں......

''کمبخت ابھی نہیں لگ رہی اور یونیورسٹی میں جاتے ہی بچھڑی سہیلی کی طرح آگلے ملتی ہے۔'' یقیناً سردی کو ہی کوسا گیا تھا۔

''پاں...... پاں......'' زوردار ہارن کی آواز تھی۔

''آئی بابا......'' وہ پہلے چلائی اور پھر باہر کو بھاگی۔ بابا پہلے ہی گاڑی گیٹ سے باہر نکال کر اس کا انتظار کررہے تھے۔

☆☆☆

مصروفیت کی وجہ سے آج بابا اسے بیرونی گیٹ پر ہی اتار گئے تھے ورنہ تو اندر داخلی پوائنٹ تک چھوڑ کر آتے تھے۔ وہ فائل کو سینے سے لگائے، دونوں ہاتھ بغلوں میں دابے درمیانی رفتار... سے چل رہی تھی۔ سامنے ہی اسکول کی عمارت تھی جہاں پر اس وقت ہو کا عالم تھا۔ اسکول جلدی اسٹارٹ ہوتا تھا جبکہ یونیورسٹی کی ٹائمنگ سیٹ تھی۔ اس کے دائیں رخ پر روش سے ذرا نیچے کھیل کا میدان تھا۔ جہاں پہ اتنی دھند کے باوجود کالج کے لڑکے کھیل رہے تھے۔

اس نے ایک اچٹتی سی نظر ان پر ڈالی اور پھر سر جھکا کر چلنے لگی۔ جیسے ہی وہ مڑ کر ایم، اے بلاک والی روش کی طرف چلنے لگی تو اسے سامنے سے معیز آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ چند منٹ کے فاصلے پر تھا۔ وہ اسے آتا دیکھ کر رک گئی۔

وہ بھی اسی کی طرح فولڈر کو سینے سے لگائے اپر کالر سر پر گرائے دونوں ہاتھ بغلوں میں دبائے چلا

آرہا تھا۔

''السلام علیکم.....'' اسے دیکھتے ہی معیز نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام.....''

''آج بڑی ٹھنڈ ہے یار.....'' وہ رکے بنا بولا۔ صوفی بھی اب ساتھ، ساتھ چل رہی تھی۔ معیز نے بغلوں میں سے ہاتھ نکالے فولڈر کو بغل میں دبایا اور دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر منہ کی گرم بھاپ سے گرمانے کی کوشش کرنے لگا۔ صوفی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''ٹیوشن پڑھا کر آئے ہو؟''

''نہیں، آج نہیں گیا۔''

''کیوں.....؟''

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''کیا.....؟ کیا ہوا پھپو کو.....؟'' صوفی کے قدم یکلخت رکے تھے۔

معیز کو بھی رکنا پڑا۔

''ٹھنڈ لگ گئی..... جس کی وجہ سے رات میں وامٹنگ ہوتی رہی۔''

''اور تم چھوڑ کر آگئے۔'' اس نے افسوس کے سے انداز میں کہا۔ ایسا افسوس کا انداز جس سے اگلے بندے کو شرمندگی دلائی گئی ہو۔

''سر عنایت کا لیکچر.....'' معیز نے مجبوری بیان کی۔ اور صوفی ٹھنڈ میں کچھ اور ٹھنڈی پڑی تھی۔ ایک گہری سانس بھر کر پھر سے چلنے لگی۔

''تو پھر تم ناشتا تو نہیں کر کے آئے ہو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، چائے، رسک کھا کر آیا ہوں۔'' معیز بولا۔ صوفی نے اس جواب پر سر جھٹکا تھا۔ بڑا اعلیٰ ناشتا تھا۔

''اب کیسی ہیں پھپو.....؟''

''بس ٹھیک ہی ہیں۔'' یہ ہی باتیں کرتے ہوئے وہ مطلوبہ بلاک تک پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں میں کون اور تو کون کی تفسیر ہو جایا کرتے تھے۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ صوفی اور وہ آگے پیچھے کلاس میں داخل ہوئے تھے۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی لڑکوں کے لیے مخصوص کرسیوں کی لائن تھی درمیان میں گزرنے کا راستہ اور دوسری طرف لڑکیوں کے لیے کرسیوں کی لائن..... معیز تو داخل ہوتے ہی پہلی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔ صوفی بھی خوشی سے لڑکیوں والی لائن میں چلی گئی تھی۔

ابھی لیکچر شروع ہونے میں کچھ وقت تھا۔ سر ابھی تک نہیں آئے تھے۔ لڑکوں کی فلک شگاف آوازیں اور لڑکیوں کی بھنبھناہٹ کلاس میں پھیلی ہوئی تھی۔

صوفی نے جگہ سنبھالنے کے بعد فائل کو کرسی کے ہتھے پر رکھا۔ بیگ کندھے سے اتار کر گود میں رکھا اور اس میں سے سیل فون نکال کر معیز کو میسج کرنے لگی تھی۔

''سر عنایت کا لیکچر ختم ہوتے ہی اٹھ جانا۔''

معیز نے سوالیہ نشان بھیجا۔ جواباً غصے والی اسمائل گئی تھی اور آگے سے جواب آیا۔ او کے..... ایک عدد اسمائل کے ساتھ۔

☆☆☆

''معیز..... دو قسم کی سبزی لے لو..... میں سالن بنا کر رکھ جاؤں گی۔'' لیکچر ختم ہوتے ہی وہ دونوں باہر نکل آئے تھے اور اب صوفی پھپو کا پتا کرنے جا رہی تھی۔

''سبزیاں تو لے لوں..... مگر بتاؤ گی کس پر..... گیس تو ہو گی نہیں.....'' فولڈر بغل میں دبا کر وہ والٹ نکالنے لگا تھا کہ اچانک رک کر بولا۔

''اسی پر بناؤں گی جس پر پھپو بناتی ہیں۔'' وہ کچھ تنک کر بولی تھی۔

''یو مین لکڑیاں.....؟'' وہ بیک پاکٹ سے والٹ نکالتے نکالتے اسے رک کر دیکھنے لگا۔

جواباً وہ اسے گھوری ڈال کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''تم چلو..... میں سبزی لے کر آتا ہوں۔'' پیچھے

سے آواز دے کر معیز نے کہا تھا۔
پھر صوفی تو کالج گیٹ سے نکل کر سڑک کراس کر کے سامنے گلی میں چلی گئی تھی جبکہ معیز سبزی والے کو دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

''پھپو کی طبیعت خراب ہے، میں ان کے پاس جا رہی ہوں آپ لوگ بھی آجائیں۔'' میسج پڑھتے ہی حنا یک دم پریشان ہوگئی تھی۔
''امی..... صوفی کا میسج آیا ہے کہ پھپو ٹھیک نہیں ہیں۔''
حنا کچن میں سے بولتی ہوئی نکلی تھی۔
''یا اللہ خیر..... کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟''
''اب یہ تو جا کر ہی معلوم ہوگا۔'' حنا نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔
''اپنے ابو کو فون کرو اور کہو کہ گاڑی بھیج دیں۔ اتنے میں تم بھی تیاری کر لو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

☆☆☆

یہ ایک چار منزلہ مکان تھا جس میں داخل ہوتے ہی صحن تھا۔ صحن عبور کر کے برآمدہ اور برآمدے کے پار نے دو کمرے..... ایک طرف چھوٹا سا کچن بنا ہوا تھا جو امریکن اسٹائل کا نہیں تھا۔ پھپو چوکی پر بیٹھ کر کھانا پکاتی تھیں۔
صوفی کو ایک تو بیٹھ کر پکانے میں مشکل پیش آ رہی تھی اور دوسرا بڑا مسئلہ لکڑیاں..... پھپو کے پاس لکڑیوں پر کھانا بنانے والا لوہے کا چولھا تھا جس نے آج کل گیس والے چولھے کی جگہ سنبھالی ہوئی تھی۔
معیز اور وہ دونوں ہی اپنی پوری کوشش کر چکے تھے..... لکڑیاں سلگتیں، دھواں چھوڑتیں..... صوفی کی آنکھوں کو پانی سے بھرتیں لیکن آگ نہیں بھڑک رہی تھی۔
''اللہ..... پھپو کیسے جلالیتی ہیں؟'' صوفی نے شوں کرتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے گالوں پر بہنے والا پانی صاف کیا..... اور ایک دفعہ پھر سے جھک کر سلگتی لکڑیوں کو پھونک مارنے لگی تھی۔
وہ اب صاف زچ نظر آ رہی تھی۔
''چھوڑ رہنے دو، میں باہر سے لے آتا ہوں کچھ.....''

اس کی اس بات پر صوفی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا مگر معیز دھندلا سا گیا تھا۔
اس نے آنکھیں میچ کر سارا پانی آنکھوں سے باہر نکالا پھر ہاتھوں کی پشت سے گالوں کو صاف کیا۔ معیز کی شکل اب واضح ہوگئی تھی۔
''تم دیکھنا میں آگ بھڑکا کر ہی چھوڑوں گی۔'' اِک عزم سے دانت پیس کر کہتے ہوئے وہ پھر سے پھونک مارنے کو جھکی۔
جبکہ معیز..... وہ اس جملے کا جواب دینا چاہتا تھا..... بھرپور طریقے سے دینا چاہتا تھا مگر..... ہا..... یہ مصلحتیں۔
اس نے سر جھکا کر اپنی شدید مسکراہٹ چھپائی۔
اسی دوران یک دم ڈور بیل گونجی تھی۔
''امی آگئیں۔'' صوفی پُرجوش ہو کر اٹھی تھی۔
جوش اس لیے کہ اب امی آگ جلائیں گی اور وہ ہی کھانا بنائیں گی۔ اس سے تو یہ کام ہونے سے رہا۔
''تم نے ان لوگوں کو ڈسٹرب کیا؟'' معیز ازحد شاک سے بولا تھا۔
صوفی نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی بات اڑائی تھی اور باہر دروازہ کھولنے کو بھاگی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک پرانی طرز کا نواڑی پلنگ تھا جس پر پھپو تکیے کے سہارے لحاف اوڑھے نیم دراز تھیں۔ اب حالت کافی سنبھل چکی تھی۔ بخار تھا مگر شدت کم تھی۔
کمرے کا دروازہ شدید سردی کی بنا پر بند تھا۔ صوفی پھپو کے پیروں کی طرف لحاف میں دبکی ہوئی تھی۔
البتہ ریحانہ اور حنا کرسیوں پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابا اور ظفر پھوپا دوسرے کمرے میں موجود تھے۔ ریحانہ نے آ کر نہ صرف کھانا بنایا تھا بلکہ اب انہی کی بدولت وہ اس ٹھنڈ میں چائے کی عیاشی بھی اڑا رہے تھے۔
معیز نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں میں دہکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی تھی جو اس نے لا کر کمرے کے وسط میں رکھی تھی۔
وہ صوفی تھی جو سب سے پہلے چھلانگ مار کر بستر

سے نکلی تھی اس سے پہلے احتیاطاً خالی کپ سر کے عین اوپر بنی شیلف پر رکھا تھا۔

ویسی ہی شیلف یا کارنیس جو پرانے زمانے میں کمروں میں ضرور بنایا جاتا تھا۔

''جیتے رہو معیز..... ''گٹھڑی بن کر انگیٹھی کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

معیز ہنس پڑا اور اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ کر ہاتھ تاپنے لگا۔ صوفی کی آنکھوں میں ابھی تک پانی آرہا تھا۔

''ابھی کیسے جلیں... یہ لکڑیاں.....؟''اس نے پوچھا۔

''ابا نے جلا کر دی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''صبح یونیورسٹی آؤ گی؟''

''نہیں.....''اس نے ٹشو سے ناک رگڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''بہت سردی ہے۔''اور پھر بھیگی آنکھیں صاف کی تھیں۔ فلو زور پکڑ رہا تھا۔

''یہ دہکتے ہوئے کتنے خوب صورت لگ رہے ہیں ناں.....''

اس نے اچانک معیز سے کہا تھا۔

وہ جو ہاتھ گرم کر کے اٹھ رہا تھا اس کی اس بات پر ٹھہر گیا۔

''نری پاگل ہو تم..... اللہ جانے کیسی، کیسی چیزوں میں خوب صورتی تلاش کر کے لے آتی ہو..... اداسی کا سُر..... دہکتے انگارے..... خوب صورت بے وقوف.....'' وہ بولتے، بولتے اٹھ کر اماں کی پائنتی کی طرف جا بیٹھا تھا۔

اماں کے پاؤں دبانے کی خاطر وہ اپنے ٹھنڈے .... ہاتھ گرم کر رہا تھا۔

صوفی نے رخ بدل کر اسے منہ چڑایا تھا۔

وہ سر جھٹک کر مسکرایا تھا بولا۔

''مامی، آپ کی بڑی والی بیٹی پاگل ہے۔''اس نے اب امی کے پیروں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے ریحانہ کو مخاطب کیا تھا جو کہ اس کی امی سے باتیں کر رہی تھیں۔

''کوئی نئی اطلاع دو بیٹا..... یہ تو خبر پرانی ہو چکی۔'' ریحانہ نے شگفتگی سے جواب دیا۔

''ام..... ی ی.....''صوفی نے بے حد برا مانا۔

ریحانہ اور معیز کھل کر ہنسے تھے..... جبکہ حنا..... کتنی شعوری کوشش کی تھی اس نے کہ وہ معیز کی طرف نہ دیکھے..... تب بھی جب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر بول رہے تھے اور اب بھی جبکہ وہ عین اس کے سامنے آکر بیٹھا تھا مگر یہ کہ محبت میں شعوری کوشش کا کیا کام..... محبت کو لاشعوری کام ہی جچتے ہیں۔

جیسے ابھی ابھی ہوا تھا..... اس نے بے ساختہ چائے کے کپ پر مرکوز آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فوراً نظریں چائے پر جمی گہرے براؤن رنگ کی تہ پر جما دی تھیں۔

جس راہ نہیں جانا..... اس کے کوس گننے کا بھلا کیا فائدہ..... چھوڑو..... دفع کرو..... مٹی ڈالو..... کیا فائدہ ہاں..... بھلا کیا فائدہ.....

☆☆☆

صبح تک صوفی کا فلو زور پکڑ چکا تھا اس لیے وہ ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔ کچھ رات کو پھپھو کے گھر سے واپسی بھی کافی دیر سے ہوئی تھی۔

امی نے صبح حنا اور اپنی کام والی بوا کو ابا کے ساتھ پھپھو کے گھر بھیج دیا تھا۔ انہوں نے پھپھو کے گھر کی ابتر حالت کل دیکھ لی تھی سو ان کی مدد کی غرض سے انہیں بھیج دیا تھا۔

آج سورج زمین والوں کو منہ دکھانے پر راضی ہو ہی گیا تھا گو کہ اس کی شعاعیں اب بھی دھندلی سی تھیں۔ مگر درجۂ حرارت میں نمایاں بہتری آگئی تھی۔

حنا نے آکر سارا گھر صاف کروایا تھا۔ بوا نے کھانا پکانے میں بھی مدد کی تھی۔ اور اب حنا چائے کا کپ پکڑے پھپھو سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

مغرب سے کچھ دیر پہلے ہی معیز آیا۔ بیرونی دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے سے اس نے جانا تھا..... آنے والا وہ ہی تھا کیونکہ پھوپا تو اپنے کمرے میں ہی تھے جنہیں وہ ابھی ابھی چائے دے کر آئی تھی۔

لاشعوری طور پر کپ پہ اس کی گرفت سخت ہوئی تھی۔ جیسے، جیسے قدموں کی چاپ دروازے کے قریب سے قریب تر ہو رہی تھی ویسے، ویسے اس کا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

دروازہ کھلا...... ''السلام علیکم......'' معیز کے اندر قدم رکھنے سے پہلے اس کی آواز آئی اور پھر وہ بھی آ گیا۔ وہ ٹیوشن پڑھا کر آ رہا تھا۔

حنا نے زیرِ لب سلام کا جواب دیا مگر مڑ کر نہ دیکھا...... وہ اس کے بائیں رخ پر موجود تھا۔

''او ئے تم......'' معیز کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے مڑ کر معیز کو دیکھا اور ایک خیر سگالی مسکراہٹ اچھالی اور پھر فوراً رخ بدل کر سر جھکا لیا۔

''تم کب آئیں؟''

وہ اماں سے سر پر پیار لینے کی خاطر اس سے چند فٹ کے فاصلے پر آ کر جھکا اور پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

''صبح سے آئی ہوئی ہے بچی......'' اس کے بجائے پھپو نے تفصیلات بتائیں۔

''کھانا؟'' اس نے ہموار لہجے میں پوچھا۔

اور یہ ہموار لہجہ کتنی دقتوں سے ہموار ہوا تھا...... یہ حنا کا اللہ ہی جانتا تھا۔

معیز نے سر کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا تھا۔

وہ اپنے جوگرز اتارنے میں مصروف تھا اور وہ تیز، تیز قدموں سے چلتی باہر نکل آئی۔

باہر آ کر اس نے گہری سانس لی...... حلق سے کچھ نیچے اتارا اور کچن کی طرف مڑ گئی۔

لیکن کچن میں جانے سے پہلے ایک اور کام کیا تھا...... بابا کو کال کرنے کا۔

''بابا...... آ کے مجھے لیں جائیں۔'' اس نے اپنی آواز کو دھیما رکھا تھا مگر اسے اپنا لہجہ بھیگا، بھیگا سا لگا۔

محبت کے مندر جات میں دکھ سب سے پہلے درج ہوتا ہے۔ بچ کر رہنا...... اس سے کہ یہ سب سے پہلے دکھ کے مفہوم سے ہی آگاہی بخشتی ہے۔

☆☆☆

دن اس تیزی سے گزر رہے تھے گویا چوبیس نہیں چار گھنٹے ہوں ابھی کل کی ہی تو بات تھی کہ اس کا پارٹ ون کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔ اسے کسی اور چیز کا ڈر نہیں تھا بس پیتھالوجی کی فکر تھی۔ کہیں پیتھالوجی اسے شرمندہ نہ کروا دے۔

یا پھر کہیں پورے رزلٹ کو ہی خراب نہ کر دے مگر یہ کہ وہ پاس ہو گئی تھی وہ بھی ستر فیصد اسکور کے ساتھ اور آج پارٹ ٹو کا بھی رزلٹ آؤٹ ہو چکا تھا۔

اس کی ہائی فرسٹ ڈویژن تھی جبکہ معیز...... میتھس اس کا رومینس تھا ناں تو یہ رومینس کے ساتھ ناانصافی ہوتی اگر وہ ٹاپ نہ کرتا۔

اسی خوشی میں پھپو اور پھوپا مٹھائی لے کر ان کے گھر آئے ہوئے تھے۔

گرمی کے دن تھے اور وہ سب چارپائیاں چھت پر ڈالے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی آندھی چلی تھی سو اب ہوا فراٹے بھرتی چل رہی تھی۔

آمنے سامنے بچھی چارپائیوں کے درمیان رکھی میز پر چائے مع لوازمات کے موجود تھی۔ صوفی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

اس نے چائے کا کپ لا کر معیز کو دیا جو کہ منڈیر پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر وہ واپس مڑی اور اب سموسے، بسکٹ، گلاب جامن سے بھری پلیٹ اور اپنے لیے چائے کا کپ بھی ہاتھ میں تھا۔ پلیٹ لا کر اس نے معیز کے پاس منڈیر پر ہی رکھی تھی۔

''حنا...... تم بھی اِدھر آ جاؤ......'' اس نے آواز دے کر حنا کو بھی بلایا۔

''آتی ہوں......'' مصروف سے انداز میں جواب آیا مگر درحقیقت ٹالا گیا تھا۔

''اب کیا کرو گے؟'' اس نے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی کہ چائے کے ساتھ کچھ وائے بھی کھائے۔

''ظاہر ہے کہیں جاب کے لیے اپلائی کروں گا۔ hec اسکالر شپ آنے والا ہے۔ ایم فل کے لیے

اس کے لیے بھی اپلائی کروں گا۔''

''حنا......! کیا کر رہی ہو یار...... اِدھر آجاؤ۔''

صوفی نے پھر سے آواز دی۔

اب کی بار حنا نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا مگر آئی نہیں...... پھوپا گاؤں کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے اور حنا کی دلچسپی تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''کل کے نیوز پیپر میں PCS کی لیکچرر شپ کی ویکینسز آئی تھیں۔ تم نے نہیں دیکھیں؟''

''نہیں......''

''میں تو اپلائے کرنے لگا ہوں...... کیا تم کرو گی؟''

''توبہ کرو...... میں نے ابھی کچھ دن ایم ایس سی کی تھکن اتارنی ہے...... انجوائے کرنا ہے...... دو سالوں کے سارے رسالے پڑھنے ہیں اور سارے ڈرامے دیکھنے ہیں۔''

وہ اپنے پلان سے اسے آگاہ کر رہی تھی اور وہ مسکرا کر اس کے پلانز سن رہا تھا۔

''شادی نہیں کرنی؟'' معیز نے اچانک پوچھا۔

اور صوفی کا پہلا تاثر حیرت کا تھا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ حیرت بنتی بھی تھی۔ معیز اور اس کے درمیان ایسی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اشاروں سے بھی نہیں اور نگاہوں سے بھی نہیں...... اور دوسرا تاثر...... اس کا چہرہ بری طرح سے سرخ پڑا۔

''بکومت......'' وہ اس سے نظریں پھیر کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''ہاہاہا......'' معیز اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ کر ہنسا۔

صوفی نے اسے گھورتے ہوئے اس کا خالی چائے کا کپ اٹھایا اور میز پر رکھنے چلی گئی۔

یکا یک پھوپا کے قصے میں اسے اتنی دلچسپی محسوس ہوئی کہ وہ وہیں حنا کے پاس بیٹھ کر انہیں سننے لگی۔

معیز نے سر جھٹکا اور پاس رکھی پلیٹ میں موجود ایک گلاب جامن کو چمچ سے آدھا کیا اور پھر ایک حصہ اٹھا کر منہ میں ڈالا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب صوفی دیکھے گی تو دوسرا حصہ اٹھالے گی۔ اس سے پہلے بھی وہ یہ ہی کر چکی تھی۔ سموسہ بھی دونوں نے مل کر آدھا، آدھا کھایا تھا۔

☆☆☆

''شادی نہیں کرنی۔''

اور اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے معیز کی آنکھوں کے تاثر کو جھٹکنا چاہا تھا مگر اس کی آنکھوں کی شوخیاں...... وہ صوفی کو کھائے جا رہی تھیں۔ وہ منڈیر سے لگ کر کھڑی تھی...... مگر منظر اب بدل چکا۔ وہ لوگ واپس جا چکے تھے۔ چار پائیاں بھی اٹھا دی گئی تھیں۔ حنا خالی برتن نیچے لے جا چکی تھی اور جب وہ منڈیر پر رکھی پلیٹ اٹھانے آئی تو......

''یہ رہنے دو......'' صوفی نے منع کر دیا تھا۔

پلیٹ میں ابھی تک آدھا گلاب جامن جوں کا توں پڑا تھا۔ صوفی اٹھانے کی ہمت ہی نہیں کر پائی تھی۔ معیز اگرچہ اس کا بچپن کا دوست تھا اور کزن تھا پرائمری تک وہ دونوں ساتھ، ساتھ پڑھے تھے اور اب یونیورسٹی میں پھر سے اکٹھے ہو گئے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا جیسا آج ہوا...... اس کی آنکھوں کا تاثر...... وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی ایسے...... اس طرح سے اس حوالے سے معیز کے لیے نہیں سوچا تھا۔ وہ دوست تھا، بے تکلفی تھی...... مگر محبت...... یہ نہیں تھی۔ معیز اسے بہت عزیز تھا وہ اسے کامیاب دیکھنا چاہتی تھی مگر اس کے ساتھ زندگی گزارنا...... یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

جیسے ہی معیز کی جاب لگنی تھی پھوپو نے ان کے گھر آجانا تھا۔ وہ جان گئی تھی اور بہت ہی اچھی طرح سے جان گئی تھی۔ اسی لیے تو معیز کی نظروں کی شوخیاں اسے کھائے جا رہی تھیں۔

لیکن پھر یوں ہوا کہ معاملات صوفی کے حق میں ہوتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے صوفی......؟'' وہ بے طرح سے الجھا ہوا تھا۔

''کیا ہے معیز......؟'' وہ حد سے بڑھ کر انجان بنی۔

''تم نے بلال کے پروپوزل کے لیے ہاں کہہ

دی؟'' وہ رکا۔ ''کیا تم انجان تھیں...... کیا تم جانتی نہیں تھیں؟ چلو ٹھیک ہے مان لیا کہ تم نہیں جانتی تھیں تو میں اب تمہیں......''

''میں جانتی نہیں تھی مگر پھر جان گئی تھی معیز......'' اس نے یک دم اس کی بات کاٹی تھی۔

''پھر بھی......؟'' وہ ترنت بولا۔

''ہاں پھر بھی......'' صوفیہ نے اب وقفہ دے کر کہا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتا رہا۔

''دنیا کا بلکہ اس پوری دنیا کا کوئی دوسرا شخص کوئی بھی دوسرا شخص معیز نہیں ہو سکتا...... کسی بھی دوسرے شخص کے پاس معیز جیسا دل نہیں ہو سکتا...... معیز جیسی نظر نہیں ہو سکتی...... وہ نظر کہ جس سے وہ صوفی کو دیکھتا ہے۔ لفظ محبت کم ہے۔ لفظ پیار جھوٹا ہے۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں مگر......''

''تو پھر تم کیسے بلال کو فوقیت دے سکتی ہو مجھ پر...... کیوں، کیسے......؟'' صوفی نے بے اختیار اپنی کنپٹی مسلی تھی۔

''معیز ضروری تو نہیں جو جذبہ تمہارے دل میں ہے وہ ہی جذبہ ویسی ہی شدت کے ساتھ میرے دل میں بھی موجود ہو؟''

''اچھا ٹھیک ہے...... نہیں تو نہ سہی مگر ہم اچھی زندگی پھر بھی گزار ہی لیں گے...... بلکہ اس الو کے ...... کے ساتھ جیسی گزارو گی ناں اس سے کہیں اچھی گزار لیں گے۔''

''نہیں......'' صوفی نے آہستگی سے سر جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔

اور معیز اتنا خاموش ہوا کہ ساکت لگتا تھا...... جیسے بے جان...... بے حس و حرکت۔

''تم بلال کو پسند کرتی ہو؟'' اس نے اپنا سب سے پہلا خدشہ سب سے آخر میں بیان کیا۔

''نہیں......'' صوفی نے اب طنزیہ مسکراہٹ سے کہا تھا۔

''تو...... تو پھر......؟'' وہ ایسا معما...... ایسا حساس سوال بن کر کھڑی تھی جس کے سلجھاؤ کا کوئی سرا نہ ملتا ہو...... جو کسی طریقے سے حل نہ ہوتا ہو...... کسی طرح سے سمجھ نہ آتا ہو۔

مکمل طور پر undefined ہو جیسے...... اس نے سوال کیا تھا...... جواب دینا تھا مگر وہ چپ کھڑی تھی۔

''میری مرضی کافی نہیں معیز......'' پھر کافی دیر بعد وہ نرمی سے بولی۔

''او کم آن صوفی...... یہ مت کہو کہ تمہاری مرضی میرے ساتھ نہیں......'' اس کی بات اڑا دی گئی یوں چٹکیوں میں۔

''کیوں......؟ یہ تمہارے ساتھ ہی کیوں ہو سکتی ہے؟'' صوفی چڑی اور چڑ کر پوچھا۔

''ہم بچپن سے ساتھ رہے ہیں صوفی......'' وہ حیران ہوا......

اور صوفی خاموش ہو گئی تھی...... تھک سی گئی تھی۔

''صوفی اب بھی اگر تم نے مجھے کوئی سولڈ ریزن نہیں بتایا تو میں تمہیں تھپڑ دے ماروں گا۔'' وہ اس کی خموشی سے چڑا۔

اور اس کے لہجے سے لگتا تھا کہ ہاں...... آج وہ ایسا ہی کرے گا اور ضرور کرے گا۔ صوفی نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا۔

''مجھے مجبور مت کرو کہ تمہیں دکھی کروں۔ مان جاؤ.......... اور چلے جاؤ...... جو ہو رہا ہے ہونے دو۔ سمجھ لو کہ وہی میری مرضی ہے۔ کوئی بہت ہی اچھی لڑکی......''

''شٹ اپ......'' اور وہ بری طرح سے دہاڑا۔

صوفی نے بے ساختہ آنکھیں بند کر کے اس لرزش کو اپنے اندر روکا جو اس دہاڑ سے اس کے اندر اٹھی تھی۔ اس نے گہری سانس بھر کر خود کو پُرسکون کرنا چاہا۔

معیز کا چہرہ دیکھا...... اور خود کو وہ بات کہنے کے لیے تیار کیا اور...... اور پھر معیز نے دنیا کی تلخ ترین بات کی...... زندگی کا بدترین جھٹکا کھایا۔ بچی مگر زہر

جیسی کڑوی اور تلخ حقیقت کا سامنا کیا تھا۔

''کیا یہ سب کہنے والی صوفی ہوگی؟ کیا یہ سب صوفی نے کہا تھا؟ کیا واقعی...... ہیں...... واقعی ہی میں؟''

☆☆☆

سخت گرمی تھی اتنی کہ نہا، نہا کر بھی کچھ نہیں بنتا تھا۔ جس کروٹ لیٹو وہ ہی پسینے میں شرابور...... ایسے میں اگر بجلی بھی بند ہو تو...... وہ تنگ آ کر اٹھی...... ایک نظر دھت سوئے معیز پر ڈالی۔

''یا اللہ...... یہ کیسے سو رہا ہے۔'' اسے واقعی شدید حیرت ہوئی تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں چلی آئی۔ یہ تو طے تھا جب تک لائٹ نہیں آنی...... نیند بھی نہیں آنی...... وہ برآمدے میں رکھی کرسی پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ پورے چاند کی رات تھی۔ چاندنی سارے صحن میں کھل کر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ضرور اس چاندنی کو انجوائے کرتی اگر مچھر نہ ہوتے تو......

''سی......'' مچھروں نے با جماعت ہو کر اس کے پیروں پر حملہ کیا تھا اور اس نے سی کر کے ہاتھ میں پکڑا پنکھا اپنے پیروں پر دے مارا۔ اور تو کوئی طریقہ علاج اس وقت میسر نہیں تھا۔ وہ چند لمحے ہاتھ سے پنکھا جھلتی...... جہاں یہ مچھر اٹیک کرتے ہاتھ روک کر وہیں یہ پنکھا دے مارتی اور پھر سے پنکھا جھلنے لگتی...... اس مشق سے ایک بازو تھک جاتا تو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیتی۔ لائٹ کو گئے گھنٹا ہو گیا تھا۔

''اللہ......'' اس نے زچ ہو کر ایک دفعہ پھر سے پنکھا پیروں پر دے مارا۔

پسینے سے شرابور...... نیند سے چور آنکھیں...... دکھتا سر اور اوپر سے گرمی...... مچھروں کی بھن بھن اسے خواہ مخواہ میں ہی رونا آیا اور پھر ساتھ میں اپنا اے سی والا کمرا بھی یاد آیا۔

معیز کی نیند بھی شدید گرمی سے ٹوٹی تھی۔ وہ بیڈ پر نہیں تھی...... اسے حیرت تھی کہ کہاں گئی؟ جب تھوڑی دیر بعد بھی وہ نہ آئی تو وہ خود اٹھا اور اٹھ کر باہر آ گیا۔

وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر جھول رہی تھی ساتھ، ساتھ پنکھے والا ہاتھ بھی چل رہا تھا۔ نیند کی شدت سے ہاتھ رک کر ڈھلکتا اور ڈھلک کر نیچے گرنے لگتا تو وہ فوراً الرٹ ہو کر پھر سے جھلنے لگتی...... معیز کی نیند بھک سے اڑی۔

''زیادہ گرمی لگ رہی ہے؟'' ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔ اور وہ چونکی کم ڈری زیادہ......

''اُف...... بندہ بتا کر تو آتا ہے...... جان ہی نکال دی۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

معیز نے نرمی سے اسے دیکھا، اسے اس پر ترس آیا اور وہ اب مشترکہ طور پر خود کو اور معیز کو پنکھا جھل رہی تھی۔

''لاؤ میں جھلتا ہوں۔'' معیز نے اس کے ہاتھ سے پنکھا لیا۔

''رہنے دیں......'' اس نے احتجاج کیا مگر معیز نے سنی ان سنی کر دی۔

وہ اب اسے اور خود کو پنکھا جھل رہا تھا۔ چند لمحوں بعد معیز نے اسے اپنے کندھے سے سر ٹکاتے دیکھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ وہیں پر سو گئی تھی۔ اس کی سانس کی ہموار رفتار بتا رہی تھی کہ وہ سو چکی ہے۔ معیز نے ایک گہری سانس بھری اور جسم کو ذرا سی بھی حرکت دینے سے روکا۔ وہ کب سے بے آرام تھی، وہ نہیں جانتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی...... وہ یوں ہی آرام کر لیتی تو اچھا تھا۔ وہ اب بھی اسے پنکھا جھل رہا تھا لیکن وہ صرف پنکھا ہی نہیں جھل رہا تھا۔

سامنے پھیلی چاندنی میں دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بہت کچھ سوچنے کے قابل ہو چکا تھا۔

ایک حقیقت ابھی ابھی اس پر کھلی تھی اور کیا ہی برے طریقے سے کھلی تھی۔

☆☆☆

''میرا بہت دل تھا صوفی کے لیے...... معیز اور اس کی بنتی بھی بہت ہے مگر جو اللہ کو منظور...... اللہ اس کے نصیب اچھے کرے بس...... معیز کی پچیس، تیس ہزار کی بھی نوکری لگتی ناں تو میں بھابی سے مانگ لیتی صوفی کو...... چلو جو اللہ کرے...... جیسے اس کی

مرضی......'' اماں کی آواز کمرے سے باہر آرہی تھی اور آواز افسوس کے شدید تاثر میں ڈوبی ہوئی تھی۔

معیز بے دھیانی میں ان کے کمرے کے سامنے صوفی کا نام سن کر رکا تھا۔ اور یہ نام...... جب سے صوفی کی بات سن کر آیا تھا یہ نام جیسے ہر طرف، ہر طرف تھا...... ذہن میں تکرار کی صورت تو دیواروں پر حرف کی شکل میں موجود تھا...... وہ دیکھ سکتا تھا چہار جانب یہی ایک نام لکھے ہوئے۔ صوفی، صوفی، صوفی۔

وہ سن سکتا تھا اسی ایک نام کی بازگشت...... صوفی...... صوفی...... ذہن سے لے کر دل کی دھڑکن تک...... ہر طرف ہر جانب...... پر صوفی نے تو کیا کہہ ڈالا تھا۔ تو صوفی ایسے سوچتی تھی......؟ پر صوفی ایسے کیسے؟ تو وہ سب کچھ خود ہی فرض کیے بیٹھا تھا...... اور حیرانی اتنی شدید تھی کہ دکھ کو ڈھانپ چکی تھی اور جب یہ نام اس نے اماں کے کمرے کے سامنے سنا تو رک گیا۔ بے اختیار اس نے اپنی کنپٹی کو مسلا۔

اماں ایک دم کمرے سے باہر نکلیں اسے یوں کنپٹی مسلتے ہوئے دیکھ کر چونکی تھیں۔

''کیا ہوا معیز......؟ سر میں درد ہے کیا؟''

انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جس سے وہ کنپٹی مسل رہا تھا۔ معیز کے ہاتھ کی حرکت فوراً رکی۔

''اماں آپ کب باہر آئیں؟'' اس نے حیرانی سے پیچھے کھلے دروازے کو دیکھا۔

''معیز......؟'' وہ چونکا۔

''جی، سر میں درد ہے...... ایک کپ چائے تو بنادیں۔'' ناہموار لہجہ...... پریشان چہرہ...... وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اماں نے پہلے کبھی معیز کو سر درد سے اتنا بے حال ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ فکر مند ہوئیں...... کاش کہ وہ سر درد ہی ہوتا...... کاش کہ......

☆☆☆

''میں تو سمجھا تھا کہ تم انکار کرو گی۔''

''کیوں......؟''

''معیز کی وجہ سے...... بہت اچھی دوستی ہے تم دونوں کی۔''

''میری آپ سے بھی بہت اچھی دوستی ہوتی اگر آپ میرے ساتھ پڑھے ہوتے، میرے ساتھ بچپن میں کھیلے ہوتے......'' وہ اس کے ترنت جواب دینے پر مسکرایا۔ وہ چھت کو جانے والی سیڑھیوں پر چائے کا کپ لیے بیٹھی تھی جبکہ وہ گرل کے پاس اپنا کپ پکڑے کھڑا تھا۔

''یعنی کہ میں گھاٹے میں رہا......'' ایک گھونٹ بھر کر اس کے دوپٹے سے ڈھکے سر کو دیکھ کر اس نے کہا۔ صوفی نے مسکراہٹ روکنے کے لیے ہونٹوں پر زبان پھیری اور سر اٹھا کر سامنے دیکھتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔ جیسے کہتی ہو مجھے کیا معلوم...... وہ اب دونوں ہاتھوں میں کپ تھامے چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

اس انداز پہ بلال کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

''بہت سے لوگوں کے دل ٹوٹے ہوں گے تمہاری اور میری منگنی سے۔''

وہ صاف اسے چھیڑ رہا تھا۔ صوفی کے کئی امیدوار تھے خاندان بھر میں...... سبھی اس کے اخلاق کے متاثرین میں سے تھے۔ البتہ بلال سے رسمی سی بات چیت ہوتی تھی...... اور وجہ وہ شہر سے باہر زیر تعلیم رہا تھا۔

وہ یک دم اٹھی۔ کپڑے جھاڑ کر درست کیے۔ بلال کے ہاتھ سے خالی کپ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے کچھ حیران ہوتے ہوئے کپ دیا۔

اسی لیے صوفی نے اچانک بلال کی آنکھوں میں دیکھا۔

''شکر کریں کہ آپ کا دل ٹوٹنے سے بچ گیا۔''

اور پھر مزے سے کہہ کر وہ بڑے آرام سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

وہ حیران ہوا اور پھر ہنس دیا۔

ایسا صوفیہ شجاع ہی کہہ سکتی تھی۔ اسے اس کا یہی انداز تو بھایا تھا۔ پورے خاندان کی واحد لڑکی...... جس نے نہ صرف ایم ایس سی کیا بلکہ کو ایجوکیشن میں رہ کر کیا۔ پورے خاندان میں صرف وہ تھی جس نے اسٹینڈ

لیا تھا۔ جبکہ باقی ساری لڑکیوں کو ایف اے یا زیادہ سے زیادہ بی اے سے آگے ... پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ کجا کہ وہ کو ایجوکیشن جوائن کرتیں وہ یوں کہ صوفی نے ارادہ کیا اور ڈٹ گئی...... اور جب آپ ڈٹ جائیں...... کوشش کرنے پر مصر رہیں تو قدرت بھی ایک، ایک کر کے سارے راستوں کے بند دروا کر دیتی ہے اور صوفیہ شجاع کے لیے بھلا کون بنا راستہ...... ہاں معیز...... معیز بھٹی......

☆☆☆

وہ گجرات کا ایک راجپوت بھٹی گھرانا تھا جس کی پچھلی نسل کے تقریباً سارے مرد باہر کے ممالک میں جا کر روزی کما رہے تھے۔ تعلیم کی اتنی اہمیت نہ تھی اس خاندان میں...... اس زمانے میں صرف ظفر (صوفی کے پھوپا) واحد پڑھے لکھے مرد تھے لیکن جیسے، جیسے پیسہ آتا گیا۔ چند فیملیز شہر میں شفٹ ہوتی گئیں اور شہر میں آ کر بچوں کو اچھے اسکولز میں ایڈمیشن لے کر دیتے رہے۔ انہی گھرانوں میں ایک صوفی کے ماموں کا گھرانا بھی تھا۔ بلال پانچ بہن بھائی تھے اور پانچوں کے پانچوں تعلیمی میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک ثابت ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کمپیوٹر سائنس کا بہت چرچا تھا۔ بلال اپنا mcs کرنے کے لیے لاہور ہاسٹل میں رہائش پزیر تھا۔ اس نے میٹرک کے بعد ساری تعلیم لاہور ہی سے حاصل کی تھی۔ انہی دنوں اڑتی، اڑتی خبر اس تک پہنچی تھی کہ اس کی پھپو کی بڑی بیٹی (صوفی) نے کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی ضد کی ہے گو کہ وہ خود ایک ایسے ہی مخلوط ادارے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا مگر وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کے لیے یہ بات ہرگز، ہرگز پسند نہیں کرتا، یہ خبر سن کر اسے برا لگا۔ صوفی سے اس کی اتنی بات چیت نہیں تھی لیکن بلال کے بہن بھائیوں سے صوفی کی بہت اچھی سلام دعا تھی اور آنا جانا بھی ظاہر ہے ہوتا ہی رہتا تھا۔ اسے صوفی کچھ اکھڑ مزاج اور روڈ سی محسوس ہوئی۔ جب پتا تھا کہ ان کے خاندان میں اکثر بے جوڑ شادیاں ہوتی ہیں مگر ہوتی بھی خاندان میں ہی ہیں تو اتنی اعلیٰ تعلیم کا مقصد......؟ کل کو پھر مسئلہ کھڑا ہوگا کہ جی اب پڑھے لکھے مرد سے شادی کرنی ہے...... اسے یہ بات بہت دور تک جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ پورے خاندان کے چند گھرانے شہر میں آباد تھے باقی تو سب آج بھی ... کڑیانوالہ میں ہی سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ اسی طرح تعلیم بھی صرف چند انہی شہری گھرانوں میں ہی محدود تھی۔ کل کلاں کو کھپنا اس نے خاندان میں ہی تھا تو ایسے ... میں؟ اور ان کا خاندان ایک سخت روایت پسند خاندان تھا۔ جس میں شادیاں اپنوں میں ہی کی جاتی تھیں۔ وہ خاندان کسی (بھول بھلیاں) maze کی طرح تھا...... سرنگ در سرنگ مگر آپس میں جڑے ہوئے۔

''خیر...... میری بلا سے؟'' تب بلال نے یہ سوچ کر اپنی جان چھڑائی تھی مگر نہیں جانتا تھا کہ یہ بلا اسی کے حصے میں آنی تھی اور اس کی اپنی مرضی سے ہی آنی تھی۔

☆☆☆

آج بلال سے بڑی بہن کی منگنی تھی ساری کزنز جمع تھیں۔ وہ کچن میں پانی پینے آیا تھا جبکہ صوفی ٹرے اٹھائے کچن میں داخل ہوئی تھی۔ تب وہ تھرڈ ایئر میں تھی اور نیا، نیا شوشا چھوڑا تھا ایم ایس سی کرنے کا...... عمر کے لحاظ سے وہ معیز اور صوفی سے بڑا تھا مگر پھر بھی یہ ایج ڈیفرنس باقی کزنز کے مقابلے میں کم ترین سطح پر تھا۔ باقی سب صوفی سے اتنے بڑے تھے کہ صوفی کسی کو باجی اور کسی کو بھابی کہہ کر بلاتی تھی۔ معیز تو خیر منتوں مرادوں کے بعد ملنے والا بچہ تھا جبکہ (صوفی کے ابا) شجاع کی شادی دیر سے ہوئی تھی...... انہیں اسٹیبلش ہونے میں کافی وقت لگا تھا۔

ایسی سلام دعا تو بلال کی صوفی سے کبھی، کبھی ہوتی ہی رہتی تھی مگر آج اس نے اس سلام دعا میں بطور خاص صوفی کو غور سے ملاحظہ کیا تھا۔

اور پھر اس شام...... اس شام ہونے والی گفتگو......

☆☆☆

یہ اسی خراب دماغی حالت کا نتیجہ تھا کہ وہ pcs

کا امتحان کلیئر نہیں کر پایا تھا۔

"میں...... میں معیز بھٹی...... میں...... میں pcs کا ایگزام......" اسے لگا کہ اس کا پوزیشن ہولڈر ہونا ایک گالی تھا...... ایک طعنہ تھا...... منہ پر الٹے ہاتھ سے پڑنے والا طمانچہ تھا۔

یہ اس کی زندگی کی دوسری بڑی بے یقین صورتِ حال تھی جس کا وہ شکار ہوا تھا...... کہنے کی بات نہیں تھی وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ اپنے ماں، باپ کے لیے کیا تھا...... وہ ان کے لیے پارس تھا ایسا پارس جو غریبی کو چھوتا تو وہ امیری بن جاتی...... بدحالی کی طرف نظر کرتا تو وہ خوشحالی میں بدل جاتی...... اور اس نے اس نے کیا کیا......

کیا محبت اس قابل تھی کہ اس کے لیے وہ اپنے گھر والوں کو برباد کر دیتا؟

ٹھیک ہے اس کا وجود محبت کھا جاتی لیکن اس سے جڑے رشتے...... وہ کسی طرح سے کسی طور سے بھی اس بات کے مستحق نہیں تھے کہ وہ اس کی محبت سے متاثر ہوتے۔ وہ ہرگز، ہرگز بھی مستحق نہ تھے۔ اور پھر اس نے وہ راز پالیا کہ جسے توازن کہتے ہیں۔ اس نے اپنے دل کو محبت کے لیے کھلا چھوڑ دیا مگر ذہن کو متاثر نہ ہونے دیا۔

کوئی حق حاصل نہیں تھا محبت کو کہ وہ اسے اس طرح سے ناکارہ کر دیتی کہ اس کے ماں، باپ کو زک پہنچتی۔

☆☆☆

اس کے سونے جاگنے کے اوقات لائٹ سے مشروط ہو چکے تھے۔ رات کی نیند بھی دن میں پوری کرنے کی کوشش کرتی مگر ناکام ہوتی۔

اسے معلوم تھا کہ ایک گھنٹے بعد بجلی نے چلے جانا ہے تو وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ گہری نیند میں تھی کہ کسی نامانوس سے شور سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ چند لمحے آوازوں سے صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی، آوازیں کچھ شور سا بننے لگی تھی۔ وہ جلدی سے دوپٹا اوڑھ کر پیروں میں چپل اڑس کر باہر آئی تو......

"ہا......" اپنی انگلیاں کھلے منہ پر رکھ کر اس نے بے یقینی سے معیز کو دیکھا...... پھپھو اور پھوپا کو دیکھا...... وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

اور پھر معیز نے اسے اپنی طرف آتا دیکھا تھا۔ انتہائی بے یقینی سے اس نے جنریٹر کی سطح پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں......" اس نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔

"سرپرائز......" معیز نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔

"پیسے کہاں سے آئے؟" وہ اب اس کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"انسٹالمنٹ پہ لیا ہے۔" معیز اب جنریٹر کو گھسیٹ کر صحن کے ایک طرف رکھ رہا تھا۔

اس نے بے ساختہ آسمان کو دیکھ کر شکر کی سانس بھری۔ یہ کسی نعمت سے کم ہرگز نہیں تھا...... گجرات میں گرمی گرمی نہیں آگ برستی ہے اور ایسے میں لوڈشیڈنگ......

"اوہ میرے اللہ...... شکر ہے تیرا...... لاکھ، لاکھ شکر ہے۔" بار، بار وہ زیرِ لب یہ جملہ دہراتی رہی۔

وہ اس ماحول میں رہنے کی عادی نہیں تھی اور عادی بنتے، بنتے...... مشکلات سے لڑتے، لڑتے اس کے بال سفید ہو جانے تھے۔ ہڈیاں گھس جاتیں اور کھنچا ہوا ماس ڈھلک جاتا تھا۔

"اوہ میرے اللہ...... شکر ہے...... شکر ہے مولا...... احسان ہے تیرا۔" جتنا شکر کرتی کم تھا۔ وہ جانتی تھی۔

☆☆☆

وہ 12 بائی 12 کا ایک کمرا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے والی دیوار کے ساتھ ڈبل بیڈ تھا۔ ساتھ میں سائڈ ٹیبلز...... ایک طرف ڈریسنگ اور بیڈ کے دوسری طرف ایک الماری اور لیس جی...... کمرا پُر ہو گیا تھا...... ایسے میں معیز نے بڑی مشکل سے گھسیڑ گھساڑ کر اپنی کمپیوٹر ٹیبل کمرے میں فٹ کر لی تھی۔ عین الماری کے ساتھ اور اسی کمپیوٹر ٹیبل کے آگے بیٹھا وہ بار، بار گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر اسے

چھوٹے تخت پر نماز پڑھتا دیکھ رہا تھا۔

آج نماز معمول سے زیادہ ہی لمبی ہوگئی تھی۔ پورا گھر جنریٹر کی عنایت کردہ بجلی کی وجہ سے جگمگا رہا تھا۔ اس نے سارے گھر کی لائٹیں جلائی ہوئی تھیں کہ جنریٹر کی بجلی مفت کی بجلی لگتی تھی...... اور پھر یہ بجلی سردیوں میں تو ہونی نہیں تھی کہ گیس ہوگی تو جنریٹر چلے گا ناں......

معیز نے سر جھٹک کر پھر سے کمپیوٹر پر نظریں جمائیں...... اسی دوران وہ چہرے کے گرد سے دوپٹا کھولتی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے ناں معیز......'' بیڈ پر اس کی طرف آکر بیٹھتے ہوئے وہ بچوں کے سے اشتیاق سے بولی تھی۔

معیز نے مڑ کر اسے دیکھا...... چند لمحے اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھتا رہا......

''ہوں......'' اور پھر رخ واپس موڑ لیا۔

''نماز آج لمبی نہیں ہوگئی تمہاری؟''

''ہاں...... شکرانے کے نفل پڑھ رہی تھی۔'' سادگی سے کہہ کر وہ دونوں ٹانگیں اوپر کرکے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''اور ابھی تو اور لمبی ہونی ہے۔''

''اچھا...... وہ کیسے......؟'' وہ اپنے کام میں مصروف بولا تھا۔

''جب اے سی آئے گا...... جب گاڑی آئے گی، جب ہم اس گھر کو رینوویٹ کروائیں گے۔ جب امریکن اسٹائل میں کچن بنوائیں گے۔ تو ہر ایک چیز کے لیے نفل پڑھا کروں گی ناں......''

وہ ایک کے بعد ایک خواہش گنواتی چلی گئی تھی۔ وہ کوئی طعنہ تھا نہ طنز...... بس اپنی خواہشات کا اظہار تھا اور معیز......

اس کا ماؤس پر چلتا ہاتھ رکا...... نظریں کمپیوٹر اسکرین پر ساکت ہو کر رہ گئیں۔

وہ ان سب سہولیات کی عادی تھی...... وہ ان سہولیات میں پل کر بڑی ہوئی تھی۔ نصیب نے اس کی شادی معیز سے کرا تو دی اور وہ ایڈجسٹ بھی ہو ہی گئی تھی مگر پھر بھی...... ساری عمر وہ ان سہولیات کو حاصل کرنے کی خواہش میں مبتلا رہے گی۔ اپنے دل کو مارتی رہے گی۔

گن، گن کر پیسے بچایا کرے گی تاکہ وہ مختلف انسٹالمنٹ پر لی ہوئی چیزوں کی قسطیں ادا کرسکیں۔

''اچھا کھا نہیں سکے گی، اچھا پہن نہیں سکے گی۔''

معیز نے دفعتاً آنکھیں بند کرکے اپنے حلق سے کچھ نیچے اتارا تھا۔

''کیا یہ ناانصافی نہیں تھی؟''

کیا یہ اس کا حق نہیں تھا کہ وہ اپنے لیے اپنے برابر کا جوڑ دیکھتی؟

''زندگی میں مادی چیزوں کی اہمیت ہوتی ہے اور اگر نہیں ہوتی تو وہ مادی رویہ ہوتا ہے۔'' اس نے کبھی معیز سے کچھ نہیں مانگا تھا۔ جیسے حالات تھے جتنی مالی استطاعت تھی وہ اسی میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی تھی...... کبھی طعنہ نہیں دیا تھا۔

یہ تھا اس کا غیر مادی رویہ...... مگر ضرورتیں وہ تو مادی چیزوں سے ہی پوری ہوتی ہیں۔

پیٹ کا تین وقت کا کھانا محبت نہیں بھرتی۔ معیز کو آج وہ خلیج جتنا فرق بڑا واضح ہو کر نظر آیا تھا...... وہ ہی فرق جو کچھ عرصے پہلے تک اسے نظر ہی نہیں آتا تھا اور یہ اتنا بڑا فرق تھا کہ منہ کھولے اس کو نگل جانے کو...... بے تاب تھا۔

مامی نے بڑی اچھی تربیت کی تھی دونوں بیٹیوں کی...... وہ دونوں کھانا بنانے اور گھر سنبھالنے میں طاق تھیں مگر یہ کہ ہمیشہ سے گھر کی صفائی ستھرائی کا کام ہمیشہ سے ان کے ہاں کام والیاں کرتی تھیں ان دونوں نے تو کبھی جھاڑو تک نہیں پکڑا تھا مگر کام والی سے بڑے اچھے طریقے سے گھر صاف کروالیا کرتی تھیں اور یہاں آکر...... شادی کے بعد معیز نے خود اسے بنا کسی حجت کے...... بنا کسی عذر کے گھر کی صفائی کرتے دیکھا تھا۔

اسے یک دم احساس ہوا تھا کہ وہ کہاں......

کہاں اور کیسے، کیسے کمپرومائز کیے ہوئے تھی۔
ساری عمر...... ساری عمر وہ ویسی ہی زندگی حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف رہے گی جیسی کہ وہ اپنے باپ کے گھر گزار کر آئی تھی اور پتا نہیں کہاں...... کہاں صبر کرے گی اور کیسے، کیسے جبر کرے گی۔ کیا یہ زیادتی نہیں تھی؟

''کیا ایک امیر گھر کی لڑکی کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے جیسا ہی مالدار جوڑ حاصل کر سکے؟''

اور یہ ہی پہلے معمولی سا نظر آنے والا فرق بعد میں خلیج جتنا بڑا اور گہرا ہو کر لومیرجز میں سے لو کو کھا جاتا ہے اور انجام طلاق کی یا مسلسل ازدواجی چپقلشوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

معاشرہ گواہ ہے ایسا ہی ہوتا ہے ناں......

☆☆☆

مغیرہ باجی کی منگنی کی تقریب ختم ہوئی تو سب لڑکیوں نے اِدھر ہی بلال کے گھر ڈیرا ڈال لیا تھا...... آج اتنے عرصے بعد سب اکٹھے ہوئے تھے رت جگے کا پروگرام بن چکا تھا۔ صوفی سب کے لیے چائے بنا کر لائی تھی۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کا کو ایجوکیشن میں پڑھنے کا فیصلہ غلط ہے؟'' وہ اپنا چائے کا کپ لے کر بیٹھی ہی تھی کہ اس نے بلال کو کہتے سنا...... وہ بری طرح سے چونکی...... حاضرین نے بھی گردن گھما کر بلال کو دیکھا۔

''نہیں......'' بڑے اعتماد سے جواب آیا تھا۔

''آپ اپنی پوزیشن خراب کر رہی ہیں۔''

''وہ کیسے......؟''

''آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں...... اپنی روایات کو بھی اور اپنے خاندان کو بھی......''

''تو......؟'' وہ جیسے اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھی۔

''اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا فائدہ جبکہ یہ بھی پتا ہو کہ کسی نے جاب تو کرنے دینی نہیں......'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اور بس......''

صوفی اطمینان سے مسکرائی یوں جیسے وہ اسے اسی پوائنٹ تک لانا چاہتی ہو۔

''آپ کے لیے تعلیم جاب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگی...... جبکہ میں ایسا نہیں سوچتی......''

اس نے بلال کی ٹھنڈی سی بے عزتی کی۔

''میرے لیے تعلیم شعور کا نام ہے...... میں گھر بیٹھ کر رشتے کا انتظار نہیں کر سکتی...... خاندانی سیاستوں پر سیر حاصل بحث نہیں کر سکتی...... فضول قسم کی لڑائیوں کا حصہ نہیں بن سکتی ...... کسی نے کیا پہنا...... کیوں پہنا...... کیسا پہنا یا یہ کہ کیا لیا نہیں لیا...... آئی ایم سوری...... مجھے یہ سب نہیں کرنا۔ زندگی بڑی اہم شے ہے...... میں اسے سمجھنا چاہتی ہوں اور سمجھنے کے لیے شعور کا ہونا بہت ضروری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں سیکھوں کہ جب کوئی میرے ساتھ برے طریقے سے پیش آئے تو میں اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھ سکوں...... چلو اچھا نہ سہی کم از کم خاموش رہنا ہی سیکھ لوں...... یہ سب وسعت القلبی سے آتا ہے مگر قلب کو وسیع ہونا کون سکھاتا ہے بلال بھائی...... یہ ذہن ہی ہوتا ہے۔ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟''

وہ کچھ دیر رکی تو بلال حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس سے اتنے تفصیلی جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

''اور کیا...... جاننے کی کوئی حد ہے۔'' وہ پھر شروع ہو گئی تھی۔ ''میرے لیے تعلیم جاننے کا ایک ذریعہ ہے...... جاب حاصل کرنے کا نہیں...... میں نے میتھ کو بھی اسی لیے چنا کہ یہ ہمیں سمجھنا سکھاتا ہے۔ رٹا لگانا نہیں...... سوال سمجھے بنا حل نہیں ہوتے اور سوال سمجھنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے...... اسٹیپ بائے اسٹیپ سوال کو کھولا جاتا ہے، حل کی طرف لے جایا جاتا ہے اور پھر آخری اسٹیپ پر سوال حل ہو جاتا ہے۔ ایک منطقی دلیل کے ساتھ...... ایک ایسی منطقی دلیل کہ جس کو

کوئی چیلنج نہیں کرسکتا..... زندگی کے مسائل بھی سمجھ سے حاصل ہوتے ہیں اور میں وہ سمجھ سیکھ لینا چاہتی ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ یہ گھر بیٹھے ہوسکتا ہے؟''

''اور آپ کو لگتا ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے شعور سکھا رہے ہیں؟'' بلال نے ترنت کہا تھا۔

''نہیں، وہ ڈگری لینا سکھا رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسکور کیسے کیا جائے یہ سکھا رہے ہیں..... مگر پھر بھی ان سب چیزوں کے مابین کہیں نہ کہیں تعلیم ڈلیور ہو ہی رہی ہوتی ہے اور وہ فرق قائم کردیتی ہے جس سے ہم کسی کو ان پڑھ اور پڑھا لکھا کہتے ہیں۔ کتابوں میں اخلاقیات کا درس ہوتا ہے یہ اب طالب پہ منحصر ہوتا ہے وہ کتنا سیکھتا ہے اور پھر اس سیکھے ہوئے کو معاشرے میں کیسے اپلائی کرتا ہے۔ بلال بھائی میں ذرا چیزوں کو عمومی زاویے سے دیکھنے سے پرہیز کرتی ہوں۔ تعلیم کا سب سے پہلا مقصد behavioural change ہوتا ہے اور مجھے اعتراف ہے کہ آج کل کی تعلیم اپنے پہلے مقصد کو ہی پورا کرنے میں ناکام ہے۔'' وہ کسی مباحثے کی شریک لگ رہی تھی۔

''مثلاً.....؟'' بلال نے پوچھا۔

''بھئی تعلیم سکھاتی ہے جھوٹ مت بولو اور ہم بولتے ہیں، کھلم کھلا..... علانیہ اور یہ ہی تو ناکامی ہے۔''

وہ یوں بات کررہی تھی جیسے زیادہ دلائل دینے پر اسے ٹرافی ملنی ہو۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں، خاندان والے کبھی اس کی پروا نہیں کریں گے۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ آپ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔''

بلال نے جان بوجھ کر کردار کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ اس کا انداز اب دھیما تھا۔

''ارے واہ..... ایسے کیسے انگلیاں اٹھائیں گے..... یہ معیز..... یہ بھی تو ہوگا ناں وہاں..... یہ میرا خون نہ پی جائے۔ اگر میں کوئی ہینکی پھینکی کروں تو وہیں پہ شوٹ نہ کردے مجھے..... گاڑ کے نہ رکھ

دے۔'' اب وہ مزہ لیتے ہوئے بولی تھی۔ اور وہ سب ان دونوں کی طرف متوجہ ہوکر ان کی بحث سن رہے تھے۔ ہنس پڑے تھے۔

اور یوں معیز بھٹی..... صوفیہ شجاع کے لیے ایک راستہ بن گیا..... ہر طرح کے اعتراضات کا منہ یہ ہی کہہ کر بند کیا گیا تھا۔

''ارے.....! معیز بھی تو ہوگا ناں صوفی کے ساتھ..... اکیلی تھوڑی ہے وہ.....''

☆☆☆

محبت ہمیشہ سے ہمارے اندر موجود ہوتی ہے۔ لیکن آشکار ہونے کے لیے یہ کسی نہ کسی شے کی محتاج ضرور رہتی ہے۔ چاہے وہ لمحہ ہو، کسی کی حسین ادا، بات کرنے کا انداز یا پھر کوئی خوب صورت عادت.....

اور پھر پتا لگتا ہے کہ ہا..... ہم بھی تو اسیرِ محبت تھے۔ ارے یہ کب ہوا..... اچھا تو یہ ایسا تھا۔

کیا ہم بھی.....؟

کیا واقعی ہم بھی.....

یقین نہیں آتا مگر حالات وواقعات کبھی، کبھی... مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اور پھر محبت یوں سامنے آتی ہے کہ جیسے یہ تو کبھی اوجھل تھی ہی نہیں۔ یہ تھی اور بس یہ ہی تھی۔

☆☆☆

وہ سال معیز کے لیے بڑا سخت ثابت ہوا تھا۔ pcs اس کی بہت بڑی امید تھا اور وہ ناکام ہوگیا تھا۔ انہی دنوں گجرات میں ایک نیا کامرس کالج کھلا تھا۔ جس کے پرنسپل معیز کے ابو کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ وہ اچھی طرح معیز کی قابلیت سے آگاہ تھے۔ انہوں نے اسے وہاں جاب آفر کی تھی جسے معیز نے ہنسی خوشی قبول کرلیا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہفتے کے دو دنوں میں اسے ایم فل شام کی کلاسز لینے اسلام آباد آنا پڑتا تھا۔

کالج کی جاب بھی تھی اور اپنی پڑھائی الگ..... پہلے اس کا مقصد کامیاب ہونا تھا اور اب یہ

پیسہ کمانا بن چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ پیسہ ہی تھا جو کہ اس کے حالات بدل سکتا تھا۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر خرابی تب پیدا ہوئی جب ماں، باپ اس کی شکل دیکھنے کو بھی ترسنے لگے۔ صبح ناشتا کر کے گھر سے نکلتا تھا...... ایک جگہ سے دوسری جگہ دوسری جگہ سے تیسری اور تیسری سے...... یہ ایک لمبا سلسلہ تھا جو پورے دن پر محیط تھا...... اور اس کے پاس تو اپنی ٹرانسپورٹ تک نہیں تھی۔ سارا دن لوکل ٹرانسپورٹ پر دھکے کھاتا یا پھر کسی کولیگ سے لفٹ لے لیا کرتا......

پانچ بجے کھانا کھانے گھر آتا تھا اور اکثر یہ کھانا skip ہو جایا کرتا تھا...... کڑی محنت کا دور تھا...... اور وہ کر رہا تھا...... کڑی محنت...... مگر اب یہ محنت...... محنت نہیں لگتی تھی یوں لگتا تھا کہ وہ خود کو ضائع کر رہا ہے...... یا پھر شاید یہ کہ اس نے اپنے غم و غصے کو انرجی کا نام دے کر محنت میں جھونک دیا تھا۔ یوں جیسے کوئی ریت سے بھرے بیگ پہ دھڑا دھڑ مکے برساتا ہے اور جتنے وہ مکے برساتا ہے اتنا ہی غصہ اور بڑھتا ہے پورا زور لگا کر چڑھتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف میں مبتلا کر کے اس ریت سے بھرے بیگ کو نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے۔ معیز بھی تو یہی کر رہا تھا مگر سوال یہ تھا کہ وہ کس کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا...... خود کو یا پھر محبت کو خود کو یا پھر...... یا پھر محبت کو......

کچھ اور وقت گزرا معیز نے اپنا دوسرا چانس avail کیا تھا اور آج اسے pcs کا ایگزام دینے لاہور جانا تھا۔ ایم فل بھی اب بس مکمل ہونے کو تھا۔

"امی میرے لیے دعا کیجیے گا بہت زیادہ......!"

اسے ایک دم یاد آیا کہ اس نے سیل فون امی کے پاس نہیں رکھا اور وہ دروازے سے پلٹ کر وہاں تک آیا تھا اور موبائل اٹھا کر ان کے پاس جائے نماز پر رکھا۔ انہیں جوڑوں کا مسئلہ تھا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا مشکل تھا۔

"جب تک تمہارا پیپر ہوتا رہے گا میں یہاں بیٹھی تسبیح پڑھتی رہوں گی۔ فکر نہ کرو معیز بیٹا...... اللہ محنت کرنے والوں کو ضرور نوازتا ہے۔" وہ اس کے سر پر دونوں ہاتھوں سے پیار دیتے ہوئے بولی تھیں۔

اور وہ واقعی وہیں بیٹھ کر سارا دن تسبیح پڑھ پڑھ کر اس کے لیے دعا مانگنا چاہتی تھیں مگر کچھ بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ کافی دیر بعد وہ کھانا بنانے کے لیے اٹھی تھیں۔

مگر یہ کیا...... باوجود اپنی پوری کوشش کے ان کے لیے اٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ انہیں جوڑوں کے درد کی شکایت ضرور تھی مگر آج تو لگتا تھا کہ جوڑ فریز ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اسی اٹھنے کی کوشش میں وہ لڑکھڑائیں اور بے توازن ہو کر تخت سے نیچے جا گری تھیں۔ انہوں نے بے ساختہ چیخ ماری مگر گھر میں کوئی ہوتا تو سنتا ناں...... ظفر صاحب بھی گھر سے باہر تھے۔ عجب بے بسی کا عالم تھا وہ رو پڑیں...... گو کہ وہ ادھیڑ عمر عورتوں کی طرح بھاری بھر کم نہیں تھیں مگر پھر بھی یوں بے توازن ہو کر گرنے سے بری طرح سے چوٹ کھائی تھی۔ دائیں بازو میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے اٹھنا چاہا مگر اٹھ نہ پائیں...... بس بہ مشکل خود گھسیٹ کر بیٹھنے کے قابل ہو سکی تھیں۔ نماز کی چوکی سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھے اب وہ بری طرح سے ہانپ رہی تھیں...... دائیں بازو کو اٹھا کر گود میں رکھا۔ تکلیف بے حد تھی اتنی کہ کراہیں ابل رہی تھیں۔ آنسو بچوں کی طرح گالوں پر بہہ رہے تھے۔

تکلیف سے زیادہ بے بسی کا احساس رلا رہا تھا۔ اور پھر پہلی بار...... پہلی بار...... کسی مصیبت میں انہوں نے خود کال کر کے بھائی کو بلایا کیونکہ ظفر صاحب کے پاس سیل فون نہیں تھا...... ایک معیز کے پاس ہوتا اور ایک گھر میں......

شجاع دوڑے، دوڑے آئے تھے...... نہ صرف وہ بلکہ ان کی پوری فیملی...... اور تب تک ساجدہ سر جائے نماز پر رکھے بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھی رہیں۔ اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ کسی ہمسائے کو ہی آواز دے ڈالتیں۔

☆☆☆

اور پھر جیسے صوفی اور حنا کی ڈیوٹی لگ گئی تھی ایک جاتی

تو دوسری آجاتی تھی...... ساجدہ کا بازو فریکچر ہو گیا تھا اور کون تھا ان کا جو ساتھ دیتا...... بھائی تھا اور اس کی بیٹیاں۔

حنا کو تو ویسے بھی چپ کسی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی۔ ایک صوفی تھی جب آتی تھی تو یوں لگتا تھا جیسے بہار آگئی ہو۔

جیسے زندگی کھل کر مسکرائی ہو۔ پھپو صوفی کی کمپنی میں زیادہ خوش رہتی تھیں۔ حنا...... جی پھپو...... جی اچھا پھپو...... ٹھیک ہے پھپو اور بس لفظ ختم...... زبان گونگی...... جبکہ صوفی...... اُف......

''پھپو آج آپ کی آنکھوں کے اوپر سرمہ لگاؤں؟ پھپو آج آپ کی چٹیا نہ بنادوں، چلیں جوڑا بنادوں...... پھپو آپ لپ اسٹک کیوں نہیں لگاتیں...... میں لگاؤں؟'' اور کچھ نہ سوجھتا تو ''پھپو آپ کو ظفر پھوپا سے کتنا پیار ہے؟ آپ کی لو میرج تھی یا ارینج...... ظفر پھوپا ویسے پیار سے آپ کو کیا کہتے ہیں...... جان...... یا پھر جانو...... آئے ہائے جانو بڑا ہی چیپ ہے بتائیے ناں پھپو......'' ایسے ہی تو وہ خوش مزاج و خوش اخلاق مشہور نہیں تھی۔ وہ کبھی ہنستیں کبھی زچ ہو جاتیں اور کبھی ایک عدد پیار سے سر پر چپت لگا دیتیں۔

مگر یہ ہی پٹر پٹر بولتی صوفی اس وقت یک دم خاموش ہو جاتی تھی جب معیز آتا تھا۔ پھپو نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے درمیان موجود کشیدگی کو محسوس کر لیا تھا گو کہ وہ ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔

معیز آتا...... خود ہی کھانا نکالتا اور پھر اپنے کمرے میں غڑاپ...... اور صبح بنا ناشتے کے گھر سے باہر...... اور وہ بھی جلدی جان بوجھ کر بہانہ...... اکیڈمی...... حالانکہ اس وقت کوئی اس کا پیچھا کرتا تو وہ سیدھا طلحہ نان سینٹر پر پایا جاتا۔

''تمہارے اور معیز کے درمیان کوئی لڑائی ہوئی ہے؟'' اور پھر بالآخر پھپو نے پوچھ ہی لیا تھا۔

صوفی نے سانس روک کر پھپو کو دیکھا۔

''جی پھپو!'' کہہ کر ایک گہری سانس لی۔

چہرے کو دیکھ کر سنجیدگی کا لیول ناپا۔ فائدہ تو کچھ تھا نہیں ناراضی چھپانے کا...... بہتر تھا کہ جھگڑا کہہ کر اصل بات چھپالیتی۔ وہ ''نہ'' کہتی...... معیز کی حرکتیں ''ہاں'' ہوتیں...... تو فائدہ جھوٹ بولنے کا۔

''آنے دو آج اسے تو میں......'' پھپو نے دانت کچکچائے۔

''نہیں پھپو...... آپ بیچ میں مت آئیں، میں خود ہی نپٹوں گی۔'' صوفی نے صاف ''دیکھ بہن سائڈ پر ہو جا تیرا معاملہ نہیں......'' والے انداز میں کہا تھا۔

پھپو چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

اس دن سنڈے تھا معیز نے کالج واکیڈمی سے چھٹیاں لے رکھی تھیں کہ اس کے فائنل ایگزامز تھے۔ ایم فل بھی وہ hec کی طرف سے ملنے والے اسکالر شپ کی بدولت کر رہا تھا۔ تبھی اس قابل ہو سکا تھا کہ ماں کا علاج کروانے میں مشکل پیش نہ آئی تھی حالانکہ ارادہ بائیک لینے کا تھا مگر...... ارادوں کا کیا ہے تو وہ بنتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔ صوفی کے لیے اچھا موقع تھا وہ چھت پر میز کرسی لگائے...... پڑھنے میں بری طرح سے غرق تھا...... اس کے پیروں میں صفحات اور بال پوائنٹس مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ مردہ یوں کہ وہ استعمال شدہ تھے۔ صوفی نے ایک نظر اسے دیکھا...... ماتھے پر بے اختیار ابھر آنے والی تیوریوں کو ہاتھ سے پکڑ کر دور کیا اور پھر چائے کا مگ عین اس کے سامنے لا کر رکھا۔

معیز نے ایک دم ہاتھ روک کر مگ کو گھورا...... مگر نظریں اٹھا کر صوفی کو نہیں دیکھا تھا۔

پھر اس نے اشتعال سے مگ اٹھایا، چائے کو اپنے پیچھے موجود دیوار پر گرایا اور ٹھا کر کے کپ ٹیبل پر رکھا...... یوں جیسے کہتا ہو......

''لو پی لی چائے اب......؟'' اور پھر ویسے ہی لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ صوفی نے حق دق ہو کر اسے دیکھا وہ بھی تو اسی خاندان کی تھی ناں...... اس نے کب

اٹھایا اور وہیں دیوار پر دے مارا...... ایک زوردار چھناکے کی آواز گونجی...... معیز نے ششدر ہو کر اسے دیکھا۔ وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے اسے گھور رہی تھی۔

''کیا بے ہودگی ہے؟'' وہ بھنا اٹھا۔

''کون سی...... چائے والی یا مگ والی...... میں نے تو تمہیں بس یہ بتایا ہے کہ غصہ محض چائے کو گرانے سے ٹھنڈا نہیں ہوگا۔ تمہیں مگ بھی چائے کے ساتھ دیوار پر دے مارنا چاہیے تھا......'' سرخ چہرے کے برعکس وہ ٹھنڈے انداز میں بولی۔

''شٹ اپ صوفی اور دفع ہو جاؤ۔'' صوفی کا چہرہ کچھ اور سرخ ہوا...... دل تو چاہا تھا کہ ایک ٹھوکر مار کر اس کی میز الٹ دے مگر وہ جانتی تھی کہ کم از کم اسے تو تحمل سے مظاہرہ کرنا ہی تھا۔

''میں بھی اسی ٹون میں...... انہی الفاظ میں تمہیں جواب دے سکتی ہوں...... بلکہ اس سے بھی کڑا جواب دے سکتی ہوں مگر نہیں...... میں ہر حال میں پابند ہوں کہ میں ''تحمل'' کا مظاہرہ کروں۔'' مگر لفظ تحمل...... بے حد سخت انداز میں چبا کر کہا گیا تھا۔

''تمہیں تکلیف کیا ہے؟'' ٹھنڈی بے عزتی نے معیز کو اور سیخ پا کیا۔

''یہ ہی...... یہ ہی تو میں پوچھنے آئی تھی۔ پھوپھو کل مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ معیز سے جھگڑا ہوا ہے، میں نے کہا...... ہاں ہوا ہے اب تم مجھے یہ بتا دو ان کو کیا اصل بات بھی بتا دوں؟ اور پھر جن خاندان والوں نے میرے لڑکوں کے ساتھ پڑھنے پر باتیں نہیں بنائی تھیں اور بالفرض کیس بھی تو وہ سامنے نہیں آئیں، وہ آج یہ کہتے ہوئے پائے جائیں...... ہاں جی دو سال اکٹھے پڑھتے رہے...... یہ تو ہونا ہی تھا...... یہ چن تو چڑھنا ہی تھا۔ کسی اور کے ساتھ نہ سہی...... تمہارے ساتھ ہی گندا کردیں لوگ مجھے...... ہیں معیز...... ٹھیک ہے؟'' پہلی بار وہ غصے اور طنز سے بولی تھی۔

اور معیز وہ...... وہ بری طرح چونکا تھا۔

وہ چند لمحے اس کے سرخ اور برہم چہرے کو دیکھتا رہا۔

''تو تم نے محض اس لیے میری محبت کو دھتکارا صرف اس لیے کہ لوگ تمہیں میرے ساتھ گندا کریں گے، یہ زیادتی ہے۔'' یک دم اس کا لہجہ اس کا انداز بدلا تھا۔ وہ جیسے بات کی تہ تک پہنچا تھا ورنہ تو اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ صوفی ایسی ہو سکتی ہے۔ وہ...... وہ بات بھی کہہ سکتی تھی۔

''دفع کرو لوگوں کو...... وہ تو باتیں بناتے ہی ہیں...... صوفی اپنے اور میرے درمیان سے لوگوں کو نکال دو...... میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ کوئی تمہیں معیز کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا...... بلال بھی نہیں......''

''تو بلال کو چھوڑ دوں؟ منگنی کا کیا کروں...... توڑ دوں؟'' اس نے ترنت پوچھا مگر اس کی نظروں میں کھا جانے والا تاثر تھا۔

''تو تم ایک منگنی کے پیچھے اپنی زندگی برباد کرو گی؟''

سوال برائے سوال...... جواب ندارد۔

''معیز تم کیوں نہیں قبول کر رہے کہ میں نے اپنی صرف اپنی مرضی سے یہ فیصلہ کیا ہے...... تم کیوں اپنی محبت مجھ پر تھوپ رہے ہو...... مجھے نہیں ہے تم سے محبت......'' وہ جیسے زچ ہوئی اور پھر ذرا اونچی آواز سے پھٹ پڑنے والے انداز میں بولی تھی۔ معیز کی غیرت پر جوتا پڑا تھا۔ ہر دفعہ کوئی ضروری تھا کہ وہ یوں ہی بے عزت ہوتا۔ ہر دفعہ ہی......

''صوفی چلی جاؤ ورنہ اللہ کی قسم میں تمہیں مار دوں گا......'' اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ سے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کے سختی سے کہا۔ اس کے چہرے سے ہی اس کے جذبات ضبط کرنے کا اندازہ ہو رہا تھا اور بہت اچھی طرح سے ہو رہا تھا...... وہ چپ رہی مگر ہٹی نہیں۔

''معیز تم ایک پڑھے لکھے انسان ہو...... میری بات کو سمجھو...... مجھے اسپیس دو، انا کا مسئلہ مت بناؤ...... یہ کہاں لکھا ہے کہ محبت برابر ہے محبت کے اور یہ کہاں

درج ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے تو مجھ پر بھی لازم ہے کہ میں بھی تم سے محبت کروں...... تم مجھ پہ محبت ٹھونس رہے ہو اور دل با اختیار نہیں...... کبھی جو تم سے پوچھا جائے ناں کہ ایک لڑکی کی شادی اس کی مرضی سے ہونی چاہیے تو تم ترنت کہو ہاں...... ہاں ہونی چاہیے، ضرور ہونی چاہیے اس کا قانونی اور مذہبی حق ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ تم تعلیم یافتہ ہو اور نہ کا لفظ تمہارے تعلیم یافتہ ہونے سے میل نہیں کھاتا مگر معیز...... عمل......؟ عمل کہاں ہے؟ میں نے یہ ہی حق استعمال کیا...... یا مجھے یہ حق حاصل نہیں اس لیے کہ معیز بھٹی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ جواب دو۔''

''صوفی تمہاری باتیں صرف میرا دماغ خراب کررہی ہیں اور کچھ بھی نہیں......'' وہ اسی بگڑے انداز میں بولا تھا۔

صوفی نے بے بسی سے ایک گہری سانس بھری سیڑھیاں چڑھتے ہی ذرا فاصلے پر معیز کی ٹیبل تھی اور وہ سیڑھیوں والی سائڈ پر معیز کے بائیں رخ پر کھڑی تھی۔

''عورت کی مرضی سے مراد ہمیشہ محبت یا محبت کی شادی ہی نہیں ہوتی معیز...... مرضی میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں...... مثلاً یہ کہ میں دیکھوں کہ تم مجھے کیسا لائف اسٹائل دے سکتے ہو اور جیسا تم مجھے دے سکتے ہو وہ میرے لیے قابلِ قبول ہے بھی کہ نہیں۔ یہ میرا حق ہے اور تم محبت کے نام پر اسے مجھ سے چھین نہیں سکتے۔ اسے ڈی گریڈ نہیں کرسکتے۔ میری مرضی...... میرا جائز حق ہے اور عورت کی مرضی ہمیشہ محبت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بات تمہیں مجھے اپنی زندگی دے کر سمجھانی پڑے گی۔'' وہ بولنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

''تم......'' وہ غرایا...... اور ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا اور اس کی طرف رخ موڑا تھا۔

''دفع ہوجاؤ صوفی ورنہ......'' اشتعال شدید تھا۔ چہرہ سرخ اور رگیں ابھری ہوئی تھیں...... صوفی پہلی بار سہم کر پیچھے ہٹی اور آنکھوں میں یک دم آنسو بھر آئے۔ اس کی آنکھوں میں کچھ اور بھی ابھرا تھا۔ کچھ

صرف ہونٹ لرزے تھے

میں آج بھی تپتے صحرا میں
تنہا ننگے پاؤں
اس کے انتظار میں کھڑی ہوں
جس نے جاتے ہوئے
عجلت میں
کوئی عہد و پیماں بھی نہ کیا
صرف پلٹ کر
اک لمحے کے لیے اتنا پوچھا تھا
تمہیں مجھ سے محبت ہے؟
مرے ہونٹوں پہ آکر لفظ
جم سے گئے تھے
صرف ہونٹ لرزے تھے
یہ کہہ کر وہ چلا گیا
تم لڑکی نہیں برف ہو
جب سے اب تک
جلتے صحرا میں
ہونٹوں پہ ٹھہرے ہوئے منجمد
لفظوں کے
پگھلنے کا انتظار کررہی ہوں

کلام: سیما سراج، پرنسپل عثمانیہ گرلز کالج کراچی

کھو دینے کا احساس...... اس نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا...... نفی میں سر ہلایا اور مڑ کر تیزی سے سیڑھیاں نیچے اتر گئی تھی۔

صوفی اور معیز کی کہانی اِدھر ہی ختم......

ٹھیک اسی جگہ پر جہاں معیز کے دل پر اک اور زخم لگا اور جہاں صوفی کی آنکھ نم ہوئی تھی...... بس ختم...... وہیں پہ ختم...... وہ دونوں ایک دوسرے کے دل سے اتر گئے تھے۔

☆☆☆

پھپو کے کمرے سے باہر رک کر اپنے آنسو صاف کیے گلا کھنکھار کر صاف کیا...... اور پھر اندر چلی گئی۔

''بہت بڑا بدتمیز ہے آپ کا بیٹا......'' ناراض لہجے میں بولتی ہوئی وہ پھپو کے پاس جا بیٹھی تھی۔

وہ بیڈ پر نیم دراز تھیں۔

''ہائے اتنے زوروں کا غصہ آیا ہوا ہے معیز کو۔ ارے کیا اس نے مگ توڑ ڈالا؟''

''جی......'' صوفی نے مسکرا کر کہا مگر آنکھیں بھر آئیں اور اس نے آنسو پی لیے اس طرح کہ پھپو کو نظر نہ آئے۔

''وہ پچھلے دنوں ہی تمہارے پھوپا لائے تھے وہ شیشے کے براؤن مگ...... چھ سو کے چھ مگ...... توڑ کر رکھ دیا۔'' پھپو کا انداز سخت ملال زدہ تھا۔

''بدتمیز سو روپے کا نقصان کر دیا...... چلو خیر مانا کہ نہیں......؟''

''نہیں مانا...... پر مان جائے گا۔'' وہ اچانک پھپو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ آنسو بہہ گئے...... آرام سے...... نرمی سے...... آسانی ہو گئی تھی۔

''لو! نقصان بھی کر دیا اور مانا بھی نہیں......'' ان کا ملال کچھ اور بڑھا اور صوفی نے سوچا۔

''امی کہتی تھیں میرے ہاتھ میں سوراخ ہیں...... جب تک روز کے دو تین برتن توڑ نہ لوں...... چین نہیں آتا......''

وہ چھت پر جانے سے پہلے...... ہاتھ میں ٹرے پکڑے پھپو کے پاس آئی تھی۔

''پھپو...... معرکہ ہونے والا ہے...... یہ مگ ٹوٹنے کی آواز بھی آئی ناں تو آپ نے کمرے سے باہر نہیں نکلنا...... معیز اگر زور، زور سے بولے تب بھی نہیں......'' اس نے سختی سے تاکید کی تھی۔ وہ جانتی جو تھی کہ مگ ٹوٹنے کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔

''چلو معیز کے ہاتھوں سے نہ سہی...... اس کے اپنے ہاتھوں سے ہی سہی...... ٹوٹ تو گیا تھا ناں مگ...... کیا مگ...... اور کیا دل......'' ایک ہی جیسے تھے کانچ کے......

☆☆☆

''معیز یہ دیکھیں۔'' اس نے بے حد پُرجوش سے انداز میں شاپنگ بیگ میں سے ایک جوڑا نکالا اور اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

گو کہ وہ ایسی چیزوں سے بالکل نابلد تھا مگر پھر بھی معیاری اور خوب صورت چیز کی پہچان ہر ایک کو ہوتی ہے۔

''زبردست......'' وہ مسکرا کر بولا۔

''کہاں سے لیا ہے......؟'' وہ روانی میں برانڈ کا نام بتا گئی۔ معیز کو جھٹکا لگا...... برانڈ کا نام ہی کافی تھا۔

''اتنے پیسے تھے تمہارے پاس؟'' وہ حیران ہوا۔

''نہیں...... آدھے تھے...... آدھے امی نے دے دیے۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی تھی۔ جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا...... معیز کے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں۔

''تمہیں میرے دیے ہوئے پیسوں سے ہی شاپنگ کرنی چاہیے تھی۔ امی کیا سوچتی ہوں گی؟''

''اتنے کانشس کیوں ہو رہے ہیں؟ امی نے ویسے بھی مجھے سوٹ لے کر دینا تھا دو کے بجائے ایک اچھا سوٹ لے لیا میں نے۔'' معیز پریشان تھا اور وہ حیران......

''اب کی بار جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن آئندہ ایسی کوئی حرکت کی تو یقین کرو میں اسے آگ لگا دوں گا مگر یہ گوارا نہیں کروں گا کہ میری بیوی میرے بجائے، اپنے ماں، باپ کے پیسے استعمال کرے...... ٹھیک ہے

میرے پاس اتنے پیسے نہیں جتنے تمہارے ماں، باپ کے پاس ہیں مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ان سے پیسے مانگتی پھرو...... تم کیوں اپنے اور ان کے اسٹیٹس کے فرق......"

اور بس...... وہ یک دم گونگا ہوگیا تھا۔ یادوں کو لے کر انسان افسوس، دکھ، پچھتاوے یا خوشی کو ہی محسوس نہیں کرتا کبھی، کبھی یادیں چابک بھی مارتی ہیں...... اور بے حد بری طرح سے مارتی ہیں۔ معیز نے آنکھیں بند کر کے...... ہونٹوں کو بھینچا اور ذرا سی دیر کو بے حس و حرکت ہوگیا...... یوں...... یوں جیسے اسی لمحے میں جا پہنچا ہو...... زور کا وار تھا...... اور پھر منہ کھول کر ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا جو صدمے کی سی کیفیت میں بہہ پڑنے والے آنسو لیے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری......" وہ اس کے قریب ہوا۔ "سوری، سوری۔" رک، رک کر لفظ ادا کیے اور وہ رخ موڑ کر رو پڑی۔ معیز نے بے اختیار ماتھا مسلا۔ پھر اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا اور خود کمپیوٹر ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"میں لاؤڈ ہوگیا تھا...... سوری فار دیٹ......"

"میرے ماں باپ ہیں وہ معیز اور......"

"شش...... بس......" معیز نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے مزید بولنے سے روکا۔ وہ سسکتی رہی مگر بولی نہیں۔

"زندگی میں بہت سی چیزیں سمجھانے سے سمجھ نہیں آتیں، یہ صرف تجربے سے ہی سمجھ میں آتی ہیں...... تو سمجھ لو کہ مجھے بھی ابھی ابھی ایک تجربہ ہوا......" اس کے ہاتھوں کو تھپتھپاتے ہوئے معیز نے کہا۔

"امی کو یہ سوٹ مت دکھانا اور اگر دکھاؤ بھی تو یہ مت بتانا کہ خود خریدا ہے...... کہنا کہ تمہیں مامی نے لے کر دیا ہے...... ساری عمر انہوں نے گن، گن کر پیسے کو خرچ کیا...... پائی، پائی کر کے جمع کیا...... وہ کبھی کوالٹی کے فرق کو نہیں سمجھیں گی۔ ان کے لیے ہمیشہ کوانٹٹی ہی معتبر رہے گی چاہے کتنی چیپ ہی کیوں نہ ہو...... وہ یہ بھی نہیں سمجھیں گی کہ آدھے پیسے مامی نے دیے...... انہیں لگے گا کہ یہ فضول خرچی تم نے ہی کی ہے، ان کے بیٹے کی کمائی فضول میں اڑائی ہے۔ اوکے...... سمجھ آیا یا نہیں آیا......"

"اوکے۔" وہ اس نے سر ہلا کر اس کو... جواب دے دیا۔

وہ بار، بار نم آنکھوں کو صاف کرتی ہوئی اس کا بیگ پیک کر رہی تھی...... کل فلائٹ تھی اس کی...... ساری پیکنگ کرنے کے بعد اس نے بھاری بھرکم بیگ کو گھسیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا...... اور خود تھک کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

معیز کے ساتھ بڑا کچھ جھیلا تھا اس نے مگر جدائی...... آہ...... یہ کہاں سے آ گئی تھی۔

کل وہ لندن جا رہا تھا...... پی ایچ ڈی کرنے...... hec کے اوورسیز اسکالرشپ کے تحت...... اور وہ اس سے کہنا چاہتی تھی نہ جائے...... اس کی لیکچررشپ تھی ناں...... گزارہ ہو رہا تھا...... آگے بھی ہوتا رہے گا...... مگر...... کہہ نہیں پائی تھی۔ وہ کب تک ایسی زندگی جیتے...... اور خوشحالی کی لائن پر کھڑے ہونے کے لیے جدائی تو برداشت کرنی ہی پڑے گی ناں...... ہر کوئی...... ہر کوئی حالات کو بدلنے کے لیے کوشش کرتا ہے...... معیز نے بھی کی تھی۔

"اس کا ارادہ محنت تھا جو کئی بار ٹوٹ پڑنے کو بے تاب ہوا مگر وہ ڈٹا رہا...... مصر رہا...... اڑ گیا......" معیز اپنے دوستوں سے مل کر آیا تو کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی رونی شکل ملاحظہ کی تھی۔

"کیا ہوگیا ہے یار...... اسکائپ ہے ناں...... گھنٹوں باتیں کیا کریں گے۔" اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے معیز نے کہا تھا۔ وہ حسب توقع آنسو بہانے لگی...... کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا بڑا مشکور ہوں میں...... تم نے تنگی میں میرا

ساتھ دیا حالانکہ ایسی زندگی گزارنا تم جیسی لڑکی کے لیے بڑا سخت۔کڑا امتحان تھا..... بڑا ہی سخت..... مگر..... اُف تک نہ کی تم نے..... مجھے حیرت ہوتی ہے تمہارے صبر پہ..... تمہارے حوصلے پر..... کتنا کمپرومائز کیا ناں تم نے.....'' وہ کندھے سے الگ ہوئی..... دونوں ہاتھوں سے گالوں کو صاف کیا اور اسے دیکھا۔

''عورت کو حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو معیز! حق مہر میں پہاڑ کے برابر سونا بھی مانگ سکتی ہے اور اگر چاہے تو لوہے کے زنگ آلود چھلے کے بدلے بھی نکاح کر سکتی ہے..... ساری بات چاہت کی ہے..... مرضی کی ہے..... اپنی خوشی کی ہے۔ تمہارے ساتھ زندگی سخت ہوگی..... میں جانتی تھی مگر میرا جذبہ بہت طاقتور تھا معیز..... اتنا کہ اس نے مشکل کو مات دے دی..... میرے لیے چیزوں کو آسان کر دیا۔'' وہ شگفتگی سے بولی تھی۔

''چائے لاؤں.....؟''

''ہاں.....'' معیز نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ چائے بنانے کے لیے اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور معیز نے سوچا کتنا سچ کہا اس نے.....

''ساری بات چاہت کی ہے..... مرضی کی ہے..... چاہت..... مرضی..... خوشی؟ طاقتور جذبہ.....'' وہ بری طرح سے چونکا۔

''تو کیا..... کیا یہ.....'' وہ اتنا بے یقین تھا جیسے یہ دنیا کے ناممکنات میں سے سب سے آخری ممکن ہو جانے والی چیز ہو..... وہ اٹھا اور تیزی سے کچن کی طرف گیا۔

''بات سنو.....'' اس کے ہاتھ سے کپ لے کر ایک طرف رکھا اور ہاتھ پکڑ کر کچن سے باہر لے آیا۔

''ارے کیا ہوا..... چائے تو..... اوہو..... معیز.....'' وہ بولتی ہوئی اس کے ساتھ تقریباً گھسٹتی ہوئی کمرے تک آئی۔ کمرے میں لا کر اس نے ہاتھ چھوڑ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

''کیا ہے؟'' وہ ذرا سا چڑ کر بولی۔

''تو تمہیں مجھ سے محبت تھی؟'' وہ اس کے اس سوال پر حیران ہوئی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیسی بے تکی بات ہے.....'' وہ جیسے اس کی..... بے وقوفی پر ہنسی۔

''نہیں..... مجھے بتاؤ، کیا ایسا تھا؟'' معیز نے اصرار کیا۔

''ہاں..... تھا.....'' اور اس نے شرارت سے بڑے آرام سے اعتراف کیا۔

''مجھے بتایا کیوں نہیں..... نہیں..... بلکہ مجھے پتا کیوں نہیں چلا..... کیوں..... کیوں آخر..... کیوں نہ چلا..... ؟'' وہ ایک بار پھر حیران ہوا۔

''پتا تب چلتا ناں اگر میں پتا لگنے دیتی تو.....'' وہ ناز سے بولی۔

اور یک دم..... بالکل ہی اچانک..... معیز کی سمجھ میں ایک بات آئی تھی۔

صوفی بھی تو اس وقت ایسے ہی حیران ہوئی تھی ناں جب اس نے اظہار کیا تھا..... وہ بھی لاعلم تھی۔ بالکل اسی طرح سے جیسے کہ وہ لاعلم رہا تھا اور اس نے لگا دی اپنی ساری قوت..... اور چڑھ آیا آج کا دن..... وہ پارس ہونے سے صرف دو قدم دور تھا۔

''کیوں روتی ہو..... چند سالوں کی ہی تو بات ہے..... پھر دیکھنا تم گاڑی پر سیریں کرو گی..... نوکرانیوں سے کام کرواؤ گی..... اچھے، اچھے کپڑے پہنو گی.....'' اسے ساتھ لگائے امی اپنے تئیں اسے پچکار رہی تھیں۔ کیونکہ وہ رو رہی تھی..... لیکن حقیقت میں یہ ان سب کی خواہشات تھیں۔ معیز نے سر جھٹک کر آخری بار پاکستان کے آسمان کو دیکھا..... وہ آسمان جہاں پہ اسے تارہ بن کر چمکنا ہی تھا..... ہاں..... اسے چمکنا ہی تھا..... اسی چمک دمک کے ساتھ کہ وہ سب سے نمایاں ہوتا.....

سب تاروں میں سے زیادہ چمکدار اور واضح

آگہی اچھی چیز ہے مگر شرط یہ کہ عمل مثبت ہو۔

☆☆☆

محبت کو ہمیشہ اپنے ہونے کا ثبوت چاہیے ہوتا ہے اور وہ یوں ملتا ہے کبھی کبھی، لمحے بھر اک نظر سے..... کسی

واقعے سے یا پھر...... یا پھر شاید کسی گفتگو سے بھی

اور اس شام کی گفتگو کے بعد ہاں معیزہ باجی کی منگنی والی شام یادگار ہوگئی تھی اور یوں صوفی جیسے اس کی نظر میں آ گئی تھی۔ کیسی شفاف سوچ کی مالک لڑکی ہے...... ڈرتی ہے نہ جھجکتی ہے...... بولتی جاتی ہے، ہنسے جاتی ہے...... وہ اس کی نظر میں آئی تھی...... پھر عادات کیسے مخفی رہ پاتیں۔ بلال اس پر فریفتہ ہوگیا تھا۔ اپنے دل، جگر، معدے، گردے سب سمیت......

اس کی نظریں صوفی کو کچھ بتاتی تھیں۔ کوئی سبق پڑھاتی تھیں...... ایک راہ گزر پر چلنے کا اشارہ کرتی تھیں...... مگر صوفی...... وہ ایک کائیاں چیز تھی...... پکڑ میں ہی نہیں آتی تھی، جانتی سب تھی۔ جب کسی کی نظریں کچھ سمجھانے پر تل جائیں تو ہو ہی نہیں سکتا کہ عورت لاعلم رہے۔ بلال نے کچھ کہا اور نہ صوفی نے کوئی جواب دیا۔ وہ منتظر تھا کہ اس کی تعلیم مکمل ہوجائے...... اس نے سارے خاندان سے بھڑ کر داخلہ لے لیا تھا...... محبت چاہے ٹھاٹھیں مارتی رہ جاتی لیکن اتنا تو اس کا حق تھا کہ اسے تعلیم مکمل کرنے دی جائے اور پھر جیسے ہی تعلیم مکمل ہوئی تو بس...... انکار کرنے کی وجہ کوئی نہیں تھی۔ بلال ہر لحاظ سے اس کے لیے جچتا تھا...... حسب نسب، مال و دولت، شکل صورت، دین اور دنیا...... سب میں وہ اس کے برابر کا ہی تو تھا...... تو انکار کیسے ہوتا......

☆☆☆

وہ دونوں پرائمری تک ساتھ پڑھے تھے پھر اسکول الگ، الگ ہوگئے۔ لڑکوں کا علیحدہ اور لڑکیوں کا الگ...... معیز بچپن کا دوست تھا، اکٹھے کھیلے تھے۔ تھپڑ کھائے بھی تھے اور مارے بھی تھے۔ اکٹھے روئے تھے تو ہنسے بھی تھے۔ خاندان بھر میں وہ دو ہی تھے جو کہ بچے تھے باقی تو کوئی لڑکپن میں تھا تو کوئی جوانی کو چھو رہا تھا۔

یہ دوستی اور بھی پروان چڑھی جب وہ دونوں یونیورسٹی میں اکٹھے ہوئے تھے۔ صوفی کو اعتراف تھا کہ ان دو سالوں میں وہ معیز کے بے حد قریب ہوگئی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ اسے بھی محبت ہوجاتی مگر...... مگر یہ کہ اس کی احتیاط نے اسے کبھی معیز کے بارے میں اس طرح سے سوچنے ہی نہیں دیا تھا۔ اور کچھ ذہن پر صرف میتھس میں ایم ایس سی کرنے کا بھوت سوار تھا۔ سب کہتے تھے کہ یہ لڑکوں کا مضمون ہے صوفی نہ پاس ہوگی...... اور صوفی کو جیسے ضد ہوگئی...... اس نے کر کے ہی دکھانا ہے...... اور ضرور دکھانا ہے...... یہ کیا بات ہوئی اب مضمون میں بھی تخصیص ہونے لگی لڑکے عموماً میتھس میں تیز ہوتے ہیں...... معیز بھی تھا...... جبکہ اسے دماغ خرچ کرنا پڑتا تھا...... اس کا سارا دھیان...... ساری قوت وہیں پر صرف ہوتی رہی...... یوں کہ میتھس نے اسے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیا اور سوچنے ہی نہیں دیا مگر اسے تو کرنا تھا ہر حال میں، ہر طرح سے...... وہ حساب کتاب کی اس قدر عادی ہوگئی کہ پھر دنیا کو بھی اسی نظر سے دیکھنے لگی...... دو جمع دو، چار...... چار ہی ہوتا ہے تو پھر اس کا پانچ کیسے ہوجاتا...... وہ کچھ حقیقتوں کی سختی سے قائل تھی۔

☆☆☆

صوفی اگلے دن گھر واپس چلی گئی تھی اور حنا کو بھیج دیا۔ اللہ، اللہ کر کے پھپو کا پلستر کھلا تو دونوں بہنوں کی ڈیوٹی ختم ہوئی۔ ساجدہ زیرِ بار تھیں، ممنون تھیں، بیٹیوں کی طرح خیال رکھا دونوں بہنوں نے۔ چار پانچ ماہ گزرے...... موسم بدلا اور پھر سردی آگئی۔

ان کے بازو میں درد رہنے لگا...... کچھ بڑھاپے کی چوٹ تھی اور کچھ سردی کی...... وہ گھر کے کام کاج سے بھی رہ گئیں...... درد بعض اوقات ایسا اٹھتا کہ انہیں بے حال کر کے چھوڑتا...... ایسے میں کبھی کبھار بھتیجیوں کو بھی بلانا پڑ جاتا تھا۔ انہیں اچھا نہیں لگتا تھا...... مجبوری تھی۔ وہ شرمندہ ہوتیں...... کچھ خاندان والوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ بہو لے آئیں...... اب آپ سے گھر نہیں سنبھالا جائے گا۔ اسی دوران معیز pcs کا امتحان پاس کر کے لیکچرار اپائنٹ ہوگیا تھا۔ دن پھرنے کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ معیز نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔

پھر سے اسکالر شپ کے لیے اپلائی کر دیا تھا۔ اسے پی ایچ ڈی جو کرنی تھی۔ اماں کی حالت کو دیکھتے ہوئے معیز نے انہیں کام والی رکھنے کا مشورہ دیا اور...... اور انہوں نے اسے شادی کا مشورہ دے ڈالا۔ اور بس......

حالات ایسے تھے کہ معیز کو ماننا ہی پڑا......

وہ...... وہ حنا کے لیے بضد تھیں۔ اپنا خون...... اپنی بھتیجی...... اور سب سے بڑھ کر جو اس نے خدمت کی...... اوپر سے بڑھاپے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ معیز کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے تھے۔ ویسے بھی جب نصیب سامنے تن کر کھڑا ہو تو مفر کسے ملتا ہے؟

☆☆☆

صوفی کی شادی کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ گو کہ ابھی دن طے نہیں ہوئے تھے مگر تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ بلال کے ابا بیرونِ ملک میں تھے تو بس ان کا ہی انتظار تھا۔ سال سے اوپر ہو چلا تھا مگر ان کے آنے کا بندوبست نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ کاغذات کا مسئلہ تھا۔

وہ جیسے ہی آتے...... شادی کے دن طے ہو جانے تھے۔ ایسے میں ایک دن ساجدہ خاتون آ گئیں...... حنا کا ہاتھ مانگنے...... ریحانہ اور شجاع ہکا بکا رہ گئے تھے۔

ساجدہ سوچنے کے لیے وقت دینے کو بھی تیار نہیں تھیں۔ ان کا اصرار تھا کہ شادی جلد کر دیں کیونکہ معیز نے اسکالر شپ کے لیے اپلائی کر رکھا ہے۔ جیسے ہی لگا وہ باہر چلا جائے گا۔ کچھ اپنی طبیعت کا رونا...... تو بس...... حنا کو جب پتا چلا کہ پھپو کس لیے آئی ہیں تو وہ ساکت ہو کر مرنے والی ہو گئی تھی۔

''صوفی ...... صوفی ...... پھپو...... میرے لیے......'' وہ گرتی پڑتی لڑکھڑاتی ہانپتی ہوئی آئی تھی۔

''پھپو معیز کا رشتہ مانگنے آئی ہیں...... میرے لیے......؟'' اس کا ''میرے لیے......'' کہنا اس طرح سے تھا جیسے شدید بے یقینی لاحق ہو چکی ہو...... صوفی بھی دم بخود تھی۔

''صوفی......'' اور پھر وہ ایک دم بہن کے گلے لگ کر رو پڑی تھی۔

''میں سمجھتی رہی معیز تم سے۔'' وہ روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی۔

''آہ...... میں کتنی پاگل تھی۔''

''صوفی...... میرے ساتھ یہ بھی ہونا تھا...... محبت یوں بھی مل جایا کرتی ہے...... ہیں صوفی......؟'' اور صوفی کیا کہتی...... وہ تو خود حیرت زدہ تھی۔

حیرت یہ نہیں تھی کہ حنا اور معیز...... حیرت یہ تھی کہ حنا، معیز کو چاہتی تھی اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔

اس نے روتی ہوئی گلے کا ہار بنی بہن کو کھینچ کر اتارا اور شانوں سے پکڑ کر سامنے کیا......

''دل پیا کردا اے کہ رکھ کے چپیڑ مارا تیری بوتھی تے......''

صوفی کا غصہ ہمیشہ اپنی مادری زبان میں ہی ٹھنڈا ہوتا تھا۔ اردو میں غصہ کرنے کا مزہ ہی نہیں آتا تھا۔

''دسیا کیوں نئیں......'' (بتایا کیوں نہیں) اس نے آنکھیں نکالیں۔

''وہ میں سمجھی تم اور معیز......'' حنا منمنائی۔

''ور فٹے منہ حنا...... مجھے پتا تھا کہ بلال نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہے تو پھر میں معیز کی طرف کیسے دیکھتی......؟'' پہلے غصے سے اور پھر آنکھ مارتے ہوئے بے حد شرارت سے کہا تھا۔

اور حنا تر گالوں کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

صوفی نے اس کی طمانیت کو محسوس کیا اور خود بھی مطمئن ہو گئی۔ محبت ایک طاقتور جذبہ ہے۔ اتنا کہ ہر چیز کو تہس نہس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

زندگی ہنس پڑنے کو بے تاب تھی مگر ایک شخص تھا جس نے اب بھی ہونٹوں کو پابند کر چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی اڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

اور یوں حنا کی شادی معیز سے ہو گئی حالانکہ تیاری تو صوفی کے لیے تھی لیکن جب نصیب تن کر کھڑا

ہو جائے تو مفر کہیں نہیں۔

پہلے امریکن اسٹائل میں کچن بنا...... پھر سارے گھر میں ٹائلز لگیں، اے سی لگا...... اس کے بعد کام والی آئی...... گھر کی ساری پرانی چیزیں ایک کے بعد ایک کر کے بدلنے لگیں۔ فریج سے لے کر بوسیدہ پردوں تک سب ...... اور پھر گاڑی بھی آ گئی۔ اور اب وہ گھر...... پھپو کا گھر تو لگتا ہی نہیں تھا۔ یہ حنا کا گھر تھا۔

وہ اب برانڈڈ کپڑے پہنتی...... کریڈٹ کارڈز سے شاپنگ کرتی تھی۔ اس کی بیٹی روٹس میں پڑھتی تھی۔ جادو کی چھڑی گھومی تھی...... نہیں...... معیز پارس بن گیا تھا۔

وہ آج Nust کا پروفیسر تھا۔ ایکس گریڈ کا پروفیسر...... سب سے نوجوان پروفیسر کہ جس کا گریڈ ایکس تھا۔ زندگی کو بدلنا ہی تھا اور وہ بدل ہی گئی تھی۔

لیکن معیز کو مسکراہٹ کا راز دے گئی تھی۔ کچھ حقیقتیں بے حد اچھی طرح سے سمجھا جاتی ہیں۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا اور یہ اس کی امی کا ہی گھر تھا۔ وہ دونوں بہنیں بڑے عرصے بعد یوں اکٹھی ہوئی تھیں وہ برآمدے میں بیٹھ کر چائے پی رہی تھیں اور ان کے بچے سامنے لان میں کھیل رہے تھے۔

صوفی کا بیٹا اور حنا کی بیٹی...... اچانک بارش کے قطرے گرنے لگے تو حنا بھاگ کر بچوں کو بلانے گئی تھی۔

وہ انہیں لے کر اندر چلی گئی۔ دونوں نے ہی کپڑے خراب کر لیے تھے۔

صوفی نے مسکرا کر حنا کو دونوں بچوں کو لے جاتے دیکھا اور پھر گردن موڑ کر برستی بارش کو دیکھنے لگی۔

''کیسی ہو صوفی......؟'' کوئی بے حد آہستگی سے آ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

وہ ساکت ہوئی...... کتنا عرصہ ہو گیا تھا ناں...... اس نے بارش سے نظریں ہٹائیں۔ اسے دیکھنے سے گریز کیا...... کپ سامنے ٹیبل پر موجود ساسر میں رکھا اور بولی۔

''ٹھیک ہوں......'' وہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

اور پھر خاموشی......

''میں...... میں بچوں کو دیکھتی ہوں۔''

''بیٹھ جاؤ صوفی...... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' اس نے نرمی سے ٹوک دیا۔ اور صوفی...... اس کی تو جیسے سانس رک گئی تھی۔ وہ اب...... اب کیا کہنے والا تھا۔

صوفی نے وحشت سے اسے دیکھا اور پھر گردن موڑ کر اندر دیکھا۔ حنا کی بچوں کو ڈانٹنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

''جہاں اتنے سال گزر گئے وہاں ساری عمر بھی گزار لیتے...... راز...... راز ہی رہتا مگر یہ معیز......'' اس نے پھر سے گھبرا کر معیز کو دیکھا اور کچھ کہنا چاہا۔

''میں تم سے سوری کرنے آیا ہوں۔'' اس کی آنکھوں کی گھبراہٹ یک دم حیرانی میں بدلی۔

''سوری......؟''

''اس دن کی بدتمیزی کے لیے جس دن میں نے تمہاری چائے گرائی تھی۔''

وہ شاکڈ ہوئی اور پھر ہنس دی۔

''تم معیز...... تم اب اتنے عرصے بعد......'' وہ یک دم پُرسکون ہوئی تھی۔

''ہاں اب...... اتنے عرصے بعد...... کیونکہ اتنے عرصے بعد جا کر ہی تو سمجھ آئی ہے کہ تم ٹھیک تھیں...... اور تم نے اس دن ایک، ایک بات بالکل ٹھیک کہی تھی کہ صوفی...... میں تم پر محبت ٹھونس رہا تھا، وہ چیز جو ٹھونسنے کی ہرگز نہیں تھی۔ آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ۔'' اس نے شفاف سی مسکراہٹ سے ہلکی سی شرمندگی سے کہا۔

اور صوفی کو لگا دل میں کھبا کانٹا بس اب نکل گیا تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

''تم اس دن روئی کیوں تھیں؟''

''کس دن......؟'' صوفی نے چونک کر پوچھا۔

''اسی دن جس دن مگ تم نے توڑا اور الزام مجھ پر

ڈال دیا، تمہیں معلوم ہے تمہارے جانے کے بعد امی نے مجھے کتنی سنائی تھیں۔'' وہ یوں بولا جیسے اسے ابھی تک ان صلواتوں کا غم ہو...... وہ سر جھٹک کر ہنس پڑی۔

''میں نے اس دن تمہیں کھودیا تھا معیز...... ایک اچھے کزن اور دوست کو...... اس کے بعد اسے مجھے نہیں ملنا تھا...... وہ نہیں ملا...... اور نہ ملے گا۔''

چند لمحوں کے بعد سنجیدگی سے اس نے کہا تھا۔ معیز کے دل عین دل میں کچھ چبھا اور پھر چبھتا ہی گیا...... وہ ٹھیک کہتی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تو ہوگیا تھا مگر وہ بے تکلفی نہیں ہوسکی تھی۔ صوفی ایک گہری سانس بھر کر اٹھی۔ میز سے برتن سمیٹے۔

''چائے لاتی ہوں۔'' اور پھر کہہ کر چل گئی تھی۔

اور معیز برستی بارش کو دیکھتے ہوئے اسی دہکتے دن میں جا پہنچا۔

☆☆☆

''مجھے مجبور مت کرو معیز کہ میں تمہیں دکھی کرو...... مان جاؤ اور چلے جاؤ...... جو ہو رہا ہے ہونے دو...... سمجھ لو کہ یہ ہی میری مرضی ہے...... کوئی اچھی لڑکی......''

''شٹ اپ......'' اور وہ دہاڑا۔

صوفی نے آنکھیں بند کر کے اس دہاڑ سے اٹھنے والی لرزش کو اپنے اندر ہی اندر روکا، ایک گہری سانس بھر کر خود کو پرسکون کیا اور معیز کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس نے خود کو وہ بات کہنے کے لیے تیار کیا۔ اس نے کہا۔

''معیز میں تمہارے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہوسکتی......''

''کیا مطلب ہے نہیں ہوسکتی...... بودے بہانے مت بناؤ صوفی...... تمہاری اور میری بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔''

''انڈر اسٹینڈنگ اس وقت بھک سے اڑ جاتی ہے جب سوشل اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہو...... تب میں کبھی تمہاری بات نہیں سمجھوں گی...... اور نہ تم میری...... میرے لیے اسٹینڈرڈ اہم ہوگا اور تمہارے لیے یہ سب سے زیادہ غیر اہم چیز...... میں quality نہیں quantity دیکھوں گی اور نہ تم quantity پر زور دو گے۔ تم اس فرق کو کیوں نہیں سمجھتے معیز......'' اس نے بے حد زچ ہو کر یہ بات کہی تھی۔ اور وہ بے حد بے یقین ہو کر اس کی بات سن رہا تھا۔ اس نے کیا، کیا گنوا دیا تھا...... وہ اس کا دل نہیں دکھانا چاہتی مگر......

''صوفی...... تم...... تم اپنے اور میرے بیچ پیسے کی لائن کھینچ رہی ہو؟ تم...... تم اتنی مادہ پرست ہو؟ محبت کوئی معنی نہیں رکھتی تمہارے لیے...... تم...... مادہ پرست عورت......'' آخر میں اس کا بے یقین انداز تنفر سے بھر گیا تھا۔

''تم معیز...... تم اتنی محنت کیوں کر رہے ہو؟ ہاں...... کیوں؟ انہی مادی چیزوں کے لیے ناں...... زندگی میں مادی چیزوں کی اہمیت ہوتی ہے...... گر نہیں ہوتی تو وہ مادی رویہ ہوتا ہے...... اور مجھے بتاؤ...... انگلیوں پر گن کر بتاؤ کہ کب میرا رویہ ایسا ہوا...... کیا میں نے تمہارے ساتھ اسی پلیٹ میں نہیں کھایا جس میں تم نے کھایا؟ کیا میں اسی جگہ پر نہیں بیٹھی جہاں تم بیٹھے ہو......؟ کب میرے خلوص میں تم نے کمی دیکھی؟ میں نے کب غرور، تکبر کیا؟ کب میں نے تم سے تمہاری مالی حالت کی وجہ سے قطع تعلق کرنا چاہا...... معیز میرا حق ہے کہ میں اپنے لیے...... اپنے ہی جیسے اسٹینڈرڈ کا جوڑ حاصل کروں...... مجھے حق ہے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں۔'' دکھ اور غصہ صوفی کی آواز کی لرزش کا باعث بنا تھا۔

''تم...... تم صوفی...... تم لکھوالو مجھ سے...... تم پچھتاؤ گی...... ساری عمر پچھتاؤ گی...... تم نے محبت کو دھتکارا...... تم اس کو ترسو گی...... ساری عمر ترسو گی...... یاد رکھنا...... تم ترسو گی......'' بے حد سخت نفرت سے کہہ کر اس نے چلے جانا چاہا مگر صوفی یک دم آگے آگئی تھی۔

''کیوں...... کیوں ترسوں گی میں محبت کو...... کیوں......؟ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا......؟ ہرگز بھی گناہ نہیں کیا...... میں نے تم یا تمہاری محبت کو دھتکارا

بھی نہیں...... میں نے نرمی سے انکار کیا ہے اور بس...... میں ضرور تمہارے ساتھ تمہارے ہی جیسی زندگی گزار لیتی اگر مجھ میں بھی محبت کی طاقت ہوتی تو...... مجھ میں نہیں ہے اتنی طاقت اور تم...... تم یاد رکھنا معیز بھٹی...... یاد رکھنا اور دیکھنا...... میں تمہارے سامنے...... انہی آنکھوں کے سامنے ایک اچھی اور خوشحال زندگی گزاروں گی اور لکھوا لو مجھ سے محبت مجھے مل کر رہے گی۔ مجھے ترسنا نہیں پڑے گا کیونکہ میں نے گناہ نہیں کیا...... اپنے حق کو استعمال کیا ہے اور بس......'' اور معیز ایک غصے بھری...... نفرت بھری نظر اس پر ڈال کر وہاں سے چلا آیا تھا۔

☆☆☆

''چائے......'' معیز ایک دم چونکا...... صوفی اس کے سامنے ٹیبل پر چائے کا کپ رکھ رہی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا...... صوفی اس کے سامنے تھی اور ایک خوشحال زندگی کا چلتا پھرتا اشتہار نظر آتی تھی۔ بلال کی محبت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ وہ آج بھی اس پر فریفتہ تھا۔

وہ سمجھ سکتا...... اب وہ سمجھ سکتا تھا کہ صوفی اور اس کی شادی ہوتی تو پھر محبت کہیں نہ ہوتی۔ ان کے درمیان موجود فرق محبت کو کھا جاتا۔

وہ سمجھ سکتا تھا اور اب تو بہت ہی اچھی طرح سے سمجھ سکتا تھا...... صوفی کے سر پر اپنی ذات، اپنی عزت کے گٹھڑ کا بار تھا۔ جسے وہ سر پر اٹھائے، ایک پتلی ڈوری پر ننگے پاؤں چلتی تھی اور لوگ...... ان کی نظریں...... اس کے پیروں پہ...... کب پھسلے...... کیوں پھسلے...... کیسے پھسلے اور کس کے لیے پھسلے۔ تو صوفی احتیاط کرتی تھی اور اتنی کرتی تھی کہ محبت کے وجود سے خالی ہوگئی۔ وہ سمجھ سکتا تھا سو سال جتنا عرصہ نہ سہی...... ''ہیرا'' بننے میں کئی سال کا عرصہ لگ ہی گیا تھا۔ اور اگر یہ عرصہ صوفی کے ساتھ گزرتا تو ہوتا کیا......؟ لڑائیاں، جھگڑے، ناچاقیاں...... صوفی کو سمجھ ہی نہیں آتا کہ کمپرومائز کیسے کرنا ہے جبکہ محبت خود بخود یہ گر سکھا دیتی ہے۔

حنا نے کیسے اچھے طریقے سے ہر چیز کو سہہ کر وقت گزارا تھا۔

معیز کو بھی محبت نامی چیز بھول جاتی اور وہ مصر رہتا کہ صوفی اسی لائف اسٹائل کو اپنائے جو کہ معیز کا تھا۔

مگر وہ کیسے اپناتی...... پچیس سال جس لائف اسٹائل کے ساتھ اس نے زندگی گزاری تھی...... پچیس دنوں میں کیسے بھول جاتی...... کیسے ترک کر کے معیز کے رنگ میں رنگ جاتی...... اور کتنے ہی لحات آئے معیز کی زندگی میں جہاں صوفی کی کہی باتوں نے کیسی روشنی کا سا کام کیا تھا۔ اور اسے حنا کو سمجھنے میں آسانی ہوگئی تھی اور حنا...... محبت ایک باکمال چیز ہے...... کمال کرنا اور کمال دکھانا یہ ہمیشہ اس کے لیے اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔ حنا کے لیے معیز کے حالات مسئلہ ضرور تھے مگر اس میں وہ محبت نامی ہمت تھی جس کی بدولت اس نے وہ سو سال کے جیسے لمبا عرصہ گزار لیا تھا۔ معیز خوش تھا، مطمئن تھا، ایک اچھی زندگی گزار رہا تھا۔

صوفی سے محبت ہوئی تھی اب وہ محبت تھی یا نہیں تھی...... اس سوال کا جواب ڈھونڈنا بے مقصد تھا۔ اور وہ یہ بات جانچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس سے حنا کی عزت پہ حرف آتا...... اور ایسا تو وہ نہیں چاہتا تھا وہ ایسا کبھی نہ گوارا کرتا......

مگر یہ کم بخت دل...... سب کچھ 'سمجھنے' جاننے، پرکھنے اور معترف ہونے کے باوجود نہ جانے کیوں خالی پن کا شکار رہتا تھا۔

اس کو جو کسی زمانے میں محبت نامی گھن لگا تھا ناں اس گھن نے دل کے ایک حصے کو کھا لیا تھا...... اِک کسک سی تو اب رہنی ہی تھی۔ اور ادھوری...... نامکمل چیزیں...... بعض اوقات مکمل ہو کر بھی مکمل نہیں ہوتیں۔ اور اس بات کا احساس دلاتی رہتی ہیں کہ ہاں...... کچھ نامکمل ہے اور کچھ ادھورا ہے ہاں ایسا تھا ہے اور ایسا ہی ہے۔